۴۸۹

سید البشر

مؤلفہ

خاکسار غلام محمد ہیڈماسٹر اسلامیہ سکول

سیالکوٹ

حسب فرمائش

مولوی نواب الدین اینڈ سنز تاجران کتب

سیالکوٹ

مطبوعہ مقبول عام پریس لاہور باہتمام مولوی نواب الدین

قیمت عہ

در بارۂ رسالت

حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات حضرت محمد رسول اللہ کے مقدس حالات پر اگرچہ سینکڑوں کتابیں
شائع ہو چکی ہیں لیکن اس وقت تک کوئی ایسی کتاب نہیں چھپی جو متوسط ذہنیت کے ڈھب کی
طبقہ عوام اس سے کماحقہ بہرہ اندوز ہو سکے چنانچہ اس کمی کو محسوس کر کے یہ ناچیز تالیف
کے نام سے ناظرین کے سامنے پیش کیجاتی ہے جس میں مندرجہ ذیل امور کا خاص طور پر لحاظ
ہے (۱) کتاب کی عبارت عام فہم اور سلیس ہو اور قسم کے مشکل الفاظ سے پاک ہو (۲) جہاں
کسی آیت یا حدیث کے درج کرنے کی ضرورت تھی وہاں صرف اسکے ترجمہ پر کفایت کی
اور اسے بھی جزو مضمون بنا دیا گیا ہے (۳) اگرچہ تاریخ ایک خشک مضمون ہے تاہم اس کتاب
کو دلچسپ بنانے میں اسقدر کوشش کیگئی ہے کہ جب اسکو ایک دفعہ شروع کر لیا جائے تو پھر ختم کئے
بغیر چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا (۴) اگر صرف کتاب کی سرخیاں ہی پڑھ لی جائیں تو کتاب کے
مفہوم سے کافی واقفیت ہو سکتی ہے اسی طرح اگر سرخیاں چھوڑ دی جائیں تو کتاب کا مضمون
نہیں ٹوٹتا (۵) اس امر کی خاص طور پر کوشش کیگئی ہے کہ ہر واقعہ معتبر و مستند ہو۔ یہاں تک کہ اس
کتاب میں جا بجا سو سے زائد معجزات درج ہیں جن کے تسلیم کرنے میں کسی غیر مسلم کو بھی انکار
کی مجال نہیں (۶) حضور کی پیدائش مبارک سے لیکر وفات شریف تک کے تمام حالات سیدھے
سادھے طرز پر مسلسل اور ترتیب وار درج کئے گئے ہیں کہ پڑھنے والے کو سمجھنے اور یاد رکھنے
میں کوئی دقت واقع نہ ہو (۷) اس کتاب کو صرف حضور انور ہی کے پاک حالات پر محدود رکھا
گیا ہے تاکہ پڑھنے والا ادھر ادھر کی الجھن میں مبتلا نہ ہو ٭

غرض یہ کتاب جسکا پڑھنا ہر مسلمان مرد و عورت پر واجب ہے نہایت محنت اور تحقیق کیساتھ
لکھی گئی ہے بفضلِ خدا ہمارا دعویٰ ہے کہ آنحضرتؐ کے مقدس حالات پر ایسی مکمل و جامع مگر مختصر کتاب
نہ آپکو مل سکتی ہے اور نہ آئندہ ملنے کی امید ہو سکتی ہے۔ کتاب کا حجم ساڑھے تین سو صفحہ ہے اور لکھائی چھپائی
دیدہ زیب ہے بیرونی سرورق بلاک کا ہے اور اس قدر خوبصورت ہے کہ بار بار دیکھنے کو جی چاہتا
باوجود ان تمام خوبیوں کے قیمت صرف عہ ہے ٭

ملنے کا پتہ:- کتب خانہ مقبول عام ریلوے روڈ لاہور

(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الترکیب

مؤلفۂ

خاکسار غلام محمد ہیڈ ماسٹر اسلامیہ سکول سیالکوٹ

حسب فرمائش

مولوی نواب الدین اینڈ سنز تاجران کتب

سیالکوٹ

مفید عام پریس لاہور میں باہتمام مولوی نواب الدین اینڈ سنز مہتمم
محمد یوسف کاتب فیروز آبادی

قیمت ایک روپیہ

تمہید

اس کتاب کی تالیف میں میں نے زیادہ تر مولانا شبلی مرحوم کی کتاب سیرت نبوی اور مولانا محمد علی صاحب کی کتاب سیرتِ خیر البشر اور ریاض الصالحین سے امداد لی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کتابوں کے مصنفوں کو جزائے خیر دے۔

رسول اللہ کی زندگی انسانوں کیلئے کامل نمونہ ہے اس لئے میں نے واقعات زندگی میں سے ایسے واقعات انتخاب کئے ہیں جن سے آپکے اخلاق اور آپکی قوم کے اخلاق پر روشنی پڑتی ہو۔ اخلاق اور عادات کے باب کو زیادہ وسیع کیا ہے کتاب کی ترتیب ایسی رکھی ہے کہ بچوں کو واقعات یاد کرنے میں سہولت ہو چونکہ کتاب عام لوگوں اور سکول کے بچوں کیلئے تیار کی گئی ہے اسلئے اسکی زبان سادہ اور عام فہم ہے۔

اس کتاب کی فروخت سے جس قدر روپیہ وصول ہوگا اس کا زیادہ حصہ قومی کاموں میں صرف کیا جائے گا۔ اس لئے اس کا خریدنا ہم خرما و ہم ثواب کا مصداق ہوگا۔

اس کو خود اپنے الہام سے تعلیم دی اور پھر اس کو اپنے بندوں کی تعلیم اور اصلاح کے لئے مقرر کیا۔ ایسے بشر کو مذہبی اصطلاح میں رسول کہتے ہیں ؛

جب سے دنیا میں انسان پیدا ہوئے ہیں اللہ تعالےٰ کی طرف سے لاکھوں رسول دنیا کی تمام قوموں کی طرف مبعوث کیے گئے ہیں۔ جنہوں نے اپنی اُمتوں میں اصلاح کی اور ان کو خدا کی طرف بلایا۔ ان رسولوں میں بعض بڑی بڑی قوموں کی طرف بھیجے گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر کتابیں نازل کیں مثلاً حضرت موسےٰ ؑ پر تورات نازل کی۔ حضرت داؤد ؑ پر زبور اور حضرت عیسیٰ ؑ پر انجیل ؛

اللہ تعالیٰ کی مشیت میں پھر ایک ایسا زمانہ آیا کہ انسان خدا سے بالکل دُور جا پڑے۔ اور اُن میں ایسی خرابی آگئی جس سے زیادہ ہو نہیں سکتی۔ اس زمانے میں اللہ تعالےٰ نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنا رسول بنا کر بھیجا۔ ان پر قرآن نازل کیا۔

جس میں سب قسم کی تعلیم تمام آئندہ زمانوں کے لئے بھر دی اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو کامل انسان بنایا تاکہ وہ قیامت تک سب انسانوں کے لئے کامل نمونہ بنیں +

خاندان اور پیدائش

آپ ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو مکہ میں پیدا ہوئے آپ کے والد ماجد کا نام عبداللہ اور والدہ ماجدہ کا نام آمنہ تھا +

عرب میں آپ کا ظہور کیوں ہُوا

عرب میں آپ کا ظہور اس لئے ہُوا کہ عرب ساری دُنیا کے وسط میں واقع ہے اور یہاں سے پیغام الہی آسانی سے ایشیا افریقہ اور یورپ میں پہنچایا جا سکتا ہے

آپ کا خاندان ۔ آپکے اسماء احمد اور محمد الہامی ہیں۔

عرب کی قوموں میں قریش سب سے معزز تھے اور قریش

میں سب سے معزز خاندان بنو ہاشم تھا۔ اسی خاندان کو آپ کی پیدائش کا فخر حاصل ہوا۔ آپ کے والد ماجد آپ کی پیدائش سے پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔ مگر آپ کے دادا عبدالمطلب زندہ تھے۔ اُنہوں نے آپ کا نام محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھا اور والدہ نے احمد (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ محمدؐ کے معنے ہیں "جس کی تعریف لوگ کریں گے" اور احمدؐ کے معنے ہیں "جو اللہ تعالےٰ کی بڑی تعریف کرے"۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ دونو نام اللہ تعالےٰ کے القا سے رکھے گئے تھے۔ اور ان میں پیشینگوئی تھی۔ کیونکہ اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ جتنی تعریف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوئی ہے دُنیا میں آج تک کسی کی بھی نہیں ہوئی اور جتنی حمد اللہ تعالےٰ کی محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے۔ اور آپ کی تعلیم کی بدولت آپ کے پیروؤں نے کی ہے اتنی کسی نے بھی نہیں کی ؞

زمانۂ جاہلیت

زمانہ جاہلیت اور اس کے خصائص

محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے دُنیا کی اِخلاقی تمدنی اور روحانی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ اسلام کی اِصطلاح میں اس زمانہ کو زمانہ جاہلیت کہا گیا ہے اِس لئے کہ صحیح علم سے جس قدر خوبیاں پیدا ہو سکتی ہیں وہ سب دُنیا سے ناپید تھیں اور علم نہ ہونے سے جس قدر بدیاں پیدا ہو سکتی ہیں سب پورے زور کے ساتھ دُنیا پر حکومت کر رہی تھیں +

عرب کے یہود اور عیسائیوں کی حالت

ہم پہلے عرب کو لیتے ہیں۔ یہاں اکثر باشندے بُت پرست تھے۔ مگر بعض علاقوں میں یہودی بھی آباد تھے اور بعض قبیلوں نے عیسائی مذہب بھی اختیار کر لیا تھا۔ لیکن مذہب جس کا سب سے بڑا کام اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سکھانا اور اِنسانوں کے اِخلاق کو درست کرنا ہے اس کے سکھانے

والے یعنی یہودی اور عیسائی مذہب کی علت غائی کو بالکل فراموش کر بیٹھے تھے۔ اکثر عیسائی تین خداؤں کو مانتے تھے اور بہت سے ان کے علاوہ بیشمار انسانوں کو پوجتے تھے اور ان کے بت بنا کر اپنے گرجوں میں رکھتے تھے۔ عیسائی بہت سے فرقوں میں تقسیم تھے جو آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ کفارہ کے عقیدہ نے نیک اعمال کی حیثیت ہی کچھ نہیں چھوڑی تھی۔ اس لئے اس مذہب کے لوگوں میں ہر قسم کی بدیاں بڑی بیباکی سے کی جاتی تھیں۔ شراب خوری قمار بازی اور زنا کاری ایسی بدیاں تھیں جن کا نام ہی عیسائی بدیاں پڑگیا تھا۔ آج کل کی عیسائی دنیا بھی ان تینوں بدیوں میں دوسری قوموں کی نسبت بہت زیادہ مبتلا ہے۔ یہودیوں میں بت پرستی وغیرہ تو نہیں تھی مگر مذہب کی علت غائی کو یہ لوگ بھی فراموش کر بیٹھے تھے۔ اور چند ایک ظاہری رسومات کا نام انہوں نے مذہب رکھ چھوڑا تھا جس سے ان میں نہایت تنگ دلی پیدا

ہو گئی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہب کی اصلی حقیقت سے یہ بھی ایسے ہی دُور تھے جیسے عیسائی +

بُت پرست عربوں کی اخلاقی اور سوشل حالت

عیسائیوں اور یہودیوں کے علاوہ جس قدر عرب تھے وہ سب بُت پرست تھے۔ اور بُت پرستی کے یقینی نتائج یعنی توہم پرستی اور گندی بد اخلاقی میں بڑی طرح مُبتلا تھے۔ اس مُلک میں کوئی باقاعدہ نظام حکومت نہ تھا۔ اس لئے اپنے جان و مال اور آبرو کی حفاظت کا ہر شخص خود ذمّہ دار ہوتا تھا مسافر جب تک خود اپنی حفاظت کرنے کے قابل نہ ہو لُوٹ لیا جاتا تھا اور اس کی فریاد سُننے والا کوئی نہیں ہوتا تھا۔ خفیف سی خفیف باتوں پر دو آدمیوں میں جھگڑا ہو جاتا تو بعض اوقات یہ جھگڑا قبیلوں میں جنگ کی صُورت اختیار کر لیتا۔ ایسی جنگیں بعض اوقات پچاس پچاس سال تک جاری رہتیں۔ اور ہزاروں آدمی مارے جاتے۔ ان کی باہمی

جنگوں میں سخت شقاوت قلبی کا اظہار ہوتا وہ مقتولوں کے اعضا کاٹ دیتے اور زخمیوں کو نہایت بے رحمی سے مار دیتے - جو قوم مغلوب ہو جاتی اس کے زن و مرد فاتح کے غلام بنائے جاتے ؛

یورپ کی حالت

یورپ پر جہالت کی گھٹا ٹوپ تاریکی چھائی ہوئی تھی صرف ان ممالک میں جہاں رومی حکومت تھی کچھ کچھ تہذیب اور تمدن کے آثار تھے - مگر اخلاقی اور روحانی حالت کے لحاظ سے یہ ملک بھی ایسے ہی گرے ہوئے تھے جیسے یورپ کے باقی ممالک؛

عرب میں عورتوں کی حالت

کسی ملک کی تہذیب کا صحیح اندازہ لگانا چاہو تو وہاں کی عورتوں کی حالت کو دیکھو - عرب میں عورت کی حیثیت صرف ایک غلام کی تھی - ایک عورت کے کئی کئی خاوند ہوتے تھے - مرد جس قدر بیبیاں چاہتا کر سکتا تھا - اگر کوئی شخص مر جاتا تو اس کی عورتیں اس کے وارث کو

ورثہ میں مل جاتیں ۔ وہ اُن کو بیچ ڈالتا یا اُن سے خود نکاح کر لیتا ۔ عرب لوگوں میں بدکاری عام تھی اور وہ بجائے اس کو چھپانے کے اس پر علانیہ فخر کرتے تھے ۔ عورتوں کے کوئی حقوق نہ تھے ۔ جب مرد چاہتے ان کو طلاق دے دیتے اور جب چاہتے ان کو پھر واپس نکاح میں لے لیتے +

اِن لوگوں میں لڑکی کی پیدائش نہایت منحوس خیال کی جاتی تھی اِس لئے وہ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے جس سے زیادہ وحشت اور شقاوت قلبی کا تصوّر بھی ناممکن ہے +

عرب میں عام روحانی اور اِخلاقی حالت

بدکاری کے بڑے لوازمات میں سے شراب خوری ہے ۔

عرب سب کے سب شراب خوری کی لعنت میں مبتلا تھے ۔ چونکہ مانع کوئی نہ تھا اِس لئے شراب خوری ان کا دن رات کا شغل تھا ۔ جوا کھیلنے کی رسم بھی عام تھی +

عربوں کے مذاہب

اہل عرب ہندوؤں کی طرح بتوں کی پرستش کرتے تھے ان میں سورج چاند اور ستاروں کی پرستش بھی جاری تھی۔ بعض لوگ لامذہب بھی ہوتے تھے جو کسی کی پرستش کے قائل نہ تھے۔ شرک چونکہ باطل ہے اس لئے اس کے ساتھ توہم پرستی کا ہونا لازم ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اہل عرب بڑے توہم پرست تھے جنوں اور بد روحوں کے قائل تھے اور آج کل کے جاہل لوگوں کی طرح بعض بیماریوں کو انہی کی طرف منسوب کرتے تھے +

ہند و ایران کی حالت

ایشیا میں ہندوستان اور ایران مہذب ملک شمار ہوتے تھے ان ملکوں میں بڑے بڑے شہر ضرور تھے، با نظام حکومتیں بھی تھیں۔ سونے چاندی کی افراط بھی تھی عظیم الشان علوم بھی تھے۔ مگر روحانیت اور اخلاق کے لحاظ سے یہ ممالک بھی عرب اور یورپ سے کچھ بہتر نہ تھے۔ ہندوستان سے بدھ مذہب

نکل چکا تھا اور اس کی جگہ بت پرستی نے لے لی تھی اور بت پرستی کے تمام لوازمات یعنی ہر طرح کی بدکاری اور توہم پرستی زوروں پر تھی - ایرانی دو خداؤں کو مانتے تھے - ان کی اخلاقی حالت یہاں تک گری ہوئی تھی کہ باپ بیٹیوں کے ساتھ نکاح کر لیتے تھے +

عام دنیا کی حالت

قرآن مجید نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آمد کے وقت دنیا کی حالت کا نقشہ ایک چھوٹے سے جملے میں کھینچ دیا ہے اور اس سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آمد کی ضرورت کو ثابت کیا ہے -

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ خشکی اور تری دونوں میں فساد اور خرابی ظاہر ہو گئی ہے - یعنی ساری مخلوق میں خرابی پیدا ہو گئی ہے +

رسول اللہ کی وفات کے وقت عرب کی حالت

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آمد کے وقت تو دنیا کی یہ حالت تھی جو بیان کی گئی - مگر آپ جب دنیا سے رخصت ہوئے تو عرب

ایک قوم تھے۔ انسانی حقوق کی پاسداری جیسی اس وقت تھی نہ اس سے پہلے کبھی ہوئی تھی اور نہ اس کے بعد کبھی ہوئی۔ انسانی تاریخ میں یہ بہترین زمانہ تھا۔ بُت پرستی کی جگہ خدا پرستی نے لے لی تھی۔ بُت پرستی اور شرک کے ساتھ ہی توہم پرستی کا بھی خاتمہ ہوگیا تھا۔ تلاشِ حق اور معرفت الٰہی انسانی زندگی کا اصلی مقصد سمجھے جانے لگے۔ علم کی تلاش ہر فرد کا فرض قرار دیا گیا۔ انسان اعلےٰ سے اعلےٰ اخلاق سے متصف ہو گئے عورتوں نے اپنا صحیح مرتبہ حاصل کرلیا غرض زندگی بہشت کا نمونہ بن گئی اور جو جو غرض محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بعثت کی تھی وہ پوری ہو گئی ۔

بچپن اور جوانی

والدہ کی وفات اور دادا اور چچا کی سرپرستی

چھ سال کی عمر تک آپ حضرت حلیمہ کے پاس رہے جو قبیلہ بنو سعد کی ایک عورت تھیں۔ اسی عمر میں آپ کی والدہ کا سایہ آپ کے سر پر سے اُٹھ گیا۔ آپ کے دادا عبدالمطلب زندہ تھے۔ انہوں نے یتیم کی پرورش اپنے ذمہ لی۔ مگر دو سال میں وہ بھی وفات پا گئے تو آپ کے چچا ابو طالب آپ کے سرپرست بنے +

بچپن میں آپ کی عادات

چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصب رسالت آپکو عطا ہونا تھا اس لئے بچپن ہی میں آپ کی عادات ایسی پاکیزہ اور نیک تھیں کہ ہر ایک آپ سے محبت کرتا تھا۔ ابو طالب کو آپ نہایت عزیز تھے۔ یہاں تک کہ وہ ہر وقت آپکو اپنے پاس ہی رکھتے اور اپنے پاس ہی سلاتے +

سفر شام اور بحیرہ راہب کی پیشگوئی

آپ جب بارہ برس کے ہوئے تو ابو طالب کو شام کا سفر پیش آیا۔ وہ آپ کو ساتھ ہی لے گئے۔ جب ابو طالب بصرے میں پہنچے تو وہاں انہیں ایک عیسائی راہب سے ملاقات کا اتفاق ہوا جس کا نام بحیرا تھا۔ بحیرا چونکہ الہامی صحیفوں کا عالم تھا اور خدا رسیدہ آدمی تھا اس نے کشف سے معلوم کر لیا کہ آپ نبی آخرالزمان ہونگے چنانچہ اس نے ابو طالب کو یہ بشارت دی اور نہیں کہا کہ اس لڑکے کو حفاظت سے رکھنا۔

فجار میں آپ کی شرکت

آپ کی عمر بیس سال کی تھی کہ قبیلہ قیس اور قریش کے درمیان ایک جنگ ہوئی جس کو حرب فجار کہتے ہیں۔ آپ بھی اس لڑائی میں شریک ہوئے مگر آپ نے اپنے ہاتھ سے کسی کو مارا نہیں۔

حلف الفضول

ہر وقت کے جنگ وجدل سے تنگ آکر بعض لوگوں

نے آپس میں ایک معاہدہ کیا جس کو حلف الفضول کہتے ہیں۔ معاہدہ میں شامل ہونے والوں نے اقرار کیا کہ وہ مظلوم کی ہر حال میں حمایت کریں گے اور ظالم کا مقابلہ کرینگے آپکو چونکہ ظلم سے طبعًا نفرت تھی۔ آپ بڑے شوق سے اس معاہدہ میں شامل ہوئے ۰

لقب امین اس زمانے میں لوگوں نے آپ کو امین کا خطاب دے دیا تھا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ آپ کے ہمعصر آپ کی خوبیوں کے عام طور پر قائل ہو چکے تھے ۰

تعمیر کعبہ اور آپ کی معاملہ فہمی۔ اسی زمانے میں خانہ کعبہ کو ڈھا کر از سر نو تعمیر کرنے کا معاملہ پیش آیا۔ تعمیر کے کام کو مختلف قبیلوں نے آپس میں بانٹ لیا۔ مگر جب حجر اسود کے نصب کرنے کا وقت آیا تو اختلاف پیدا ہوگیا کہ یہ شرف کون حاصل کرے۔ اختلاف نے یہاں تک طول کھینچا کہ قریب تھا کہ کشت و خون ہو جائے۔ آخر ایک شخص نے سب قبائل

کو اس بات پر راضی کر لیا کہ دُوسرے روز جو شخص سب سے پہلے حرم میں داخل ہو وہی ثالث تسلیم کر لیا جائے۔ سب نے اس تجویز سے اتفاق کیا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت! دُوسرے روز سب سے پہلے جو شخص حرم میں آیا وہ آپ ہی تھے۔ اللہ تعالےٰ نے تو یہ شرف آپ کو عطا کیا تھا مگر آپ خُود غرضی سے بالا تر تھے۔ آپ نے ایک چادر لی۔ حجر اسود کو اُٹھا کر اس میں رکھ دیا۔ اور پھر قبائل کے رؤسا سے کہا کہ چادر کے چاروں کونوں کو پکڑ کر اُٹھائیں۔ اِس کے بعد آپ نے پتھر کو اُٹھایا اور موقعہ پر نصب کر دیا۔ آپ کے منصب رسالت پر سر فراز اور قوم کے سردار ہونے کی اہلیت کا یہ ایک اور ثبوت تھا۔

شغل تجارت

آپ جب جوان ہُوئے تو تجارت کی طرف توجہ کی اور کامیاب تاجر بننے کے سارے اوصاف یعنی راستبازی۔ دیانت اور وعدہ وفائی بہ وجہ اتم آپ میں موجُود تھے۔ اِس لئے جب آپ کو

تجارت کا کافی تجربہ ہو گیا تو لوگ اپنے کار و بار تجارت میں آپ کو شریک کرنے لگے۔ آپ کی وعدہ وفائی کے متعلق ذیل کا واقعہ سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے ۰

آپ کی وعدہ وفائی کی حیرت انگیز مثال

ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں نے بعثت سے پیشتر آپ سے کچھ مُعاملہ کیا۔ ابھی کچھ کام باقی تھا کہ میں چل دیا اور کہہ گیا کہ میں پھر آؤں گا تین دن گذر گئے اور مجھے وعدہ یاد نہ آیا۔ اِتفاق سے تین روز کے بعد میں اس جگہ پُہنچا تو میں نے دیکھا کہ آپ اسی جگہ موجود ہیں۔ میری اس بے پروائی سے نہ صرف یہ کہ آپ ناراض نہیں ہُوئے بلکہ آپ کی پیشانی پر بل تک نہیں آیا ۰

حضرت خدیجہ رضؓ سے آپ کا نِکاح

حضرت خدیجہ رضؓ مکہ میں ایک معزز بیوہ تھیں۔ ان کی شرافت اور پاکیزگی اخلاق کی وجہ سے لوگ ان کو

طاہرہ کہتے تھے۔ یہ بہت دولت مند تھیں۔ اور اپنی دولت سے تجارت کیا کرتی تھیں۔ جب ان کو آپ کی راستبازی دیانت اور حسن معاملہ کا علم ہُوا تو اُنھوں نے آپ کو کہلا بھیجا کہ آپ میرا کار و بار تجارت سنبھالیں آپ نے اس درخواست کو قبول فرمایا۔ اور اس عمدگی سے کام کیا کہ حضرت خدیجہ کو بہت نفع حاصل ہُوا۔ آپ کے اخلاق کی تعریف تو وہ پہلے ہی سُن چکی تھیں۔ اب تجربہ بھی ہو گیا۔ اِس لئے آپ کے سفر سے واپس آنے کے تین ماہ بعد اُنھوں نے آپ سے شادی کر لی۔ اس وقت آپ کی عمر پچیس سال تھی۔ اور حضرت خدیجہ کی چالیس سال حضرت خدیجہ سے آپ کو بڑی محبت تھی اور جب تک وہ زندہ رہیں آپ نے دُوسرا نِکاح نہیں کیا ؂

زمانہ قبل نبوّت

نبوّت کے لئے آپ کی اہلیت

زمانہ قبل نبوّت میں آپ نے نہ کبھی شرک کیا اور نہ کِسی مشرکانہ رسم میں کبھی شامل ہُوئے۔ آپ کے اخلاقِ فاضلہ کی آپ کے ہمعصروں میں دھوم تھی۔ حتّٰی کہ آپ کے شدید ترین دشمن بھی کوئی اخلاقی عیب آپ کی طرف منسُوب نہیں کر سکتے تھے۔ آپ کا میل جول عمُوماً ایسے لوگوں سے تھا۔ جو نہایت اعلیٰ اخلاق سے متصف تھے۔ اِن میں حضرت ابو بکر سب سے زیادہ ممتاز تھے۔

لڑکپن میں آپ کھیل کُود میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ جھُوٹ اور ٹھٹھے سے بھی نفرت تھی۔ لڑائی جھگڑے کو نا پسند کرتے تھے۔ بُت پرستی سے بچپن ہی میں بیزار تھے شرک کی رسُومات میں کبھی شریک نہیں ہُوئے حتّٰی کہ بُتوں کے نام پر جو کھانا چڑھایا جاتا تھا اس کو بھی آپنے کبھی نہیں کھایا۔ ایک

خصوصیت جو آپ کو اپنے ہمعصروں سے ممتاز کرتی تھی یہ تھی کہ آپ بنی آدم کی گری ہوئی حالت کو دیکھ کر سخت کڑھتے تھے اور ہر وقت اسی دُھن میں رہتے تھے۔ کہ اِنسانوں کو اس گمراہی کے گڑھے سے نکالیں جس میں وہ گِرے ہُوئے ہیں۔ قرآن کریم کی شہادت ہے کہ آپ اللہ تعالےٰ کی تلاش میں سر گرداں رہتے تھے اور اپنے رب سے آپ کو عِشق تھا۔ یہی باتیں تھیں جن کی طفیل آپ منصب رسالت پر سرفراز کئے گئے ؀

بعثت

نبوّت کے پہلے تین سال

غارِ حرا اور نبوت کی ابتدا

بعثت سے کچھ مدّت پیشتر آپکا میلان طبع تنہائی اور عبادت کی طرف زیادہ ہو گیا تھا مکّہ سے کچھ فاصلہ پر ایک غار تھا جِس کا نام حرا تھا۔آپ کئی مہینے وہاں تشریف رکھتے اور عبادت میں مشغول رہتے

نبوّت کی ابتدا یوں ہُوئی کہ پہلے آپ کو سچے خواب آنے لگے۔ ایک روز آپ عبادت میں مشغول تھے۔ کہ اللہ تعالےٰ کے فرشتہ نے سامنے آکر آپ کو بشارت دی کہ آپ کو رسالت کا درجہ عطا ہُوا ہے۔ اس طرح جب تمام جہان کی اِصلاح کا بوجھ آپ کے کندھوں پر ڈالا گیا تو بتقاضائے بشریت آپ پر ہیبت طاری ہوگئی اور آپ کانپتے کانپتے گھر تشریف لائے حضرت خدیجہؓ سے کہا کہ "مجھے کپڑا اُڑھا دو" تھوڑی دیر میں یہ کیفیت دور ہو گئی تو آپ نے خدیجہؓ سے سب ماجرا کہا۔ وہ چونکہ آپ کے حالات سے پوری واقف تھیں۔ اِس لیئے اُنھوں نے آپ کو تسلّی دی اور فرمایا کہ "آپ میں سب وہ خوبیاں پائی جاتی ہیں جو اللہ تعالےٰ کو محبُوب ہیں اور ایک رسُول میں ہونی ضروری ہیں۔ پھر اس سرو سامان کے ہوتے ہُوئے آپ کیوں ڈرتے ہیں آپ کو اللہ تعالےٰ ناکامی اور ذلّت کا منہ نہیں دکھائیگا"۔

ورقہ کی شہادت

ورقہ بن نوفل حضرت خدیجہ کے چچا زاد
بھائی عیسائی تھے۔ حضرت خدیجہ آپ کو
اُنکے پاس لے گئیں۔ یہ عیسائی مذہب
سے واقف ہونے کے سبب اُن سب بشارات
کو جانتے تھے جو ایک آنے والے عظیم الشان
نبی کے متعلق عیسائیوں کی مذہبی کتابوں میں
پائی جاتی تھیں۔ اس لئے وہ آپ کے بیان
کو سُن کر پکار اُٹھے کہ "یہ وہی فرشتہ ہے جو
موسیٰؑ پر اُترا تھا اور آپ نبی آخر الزمان ہیں"۔

ابتدائے تبلیغ

اس کے بعد سلسلہ تبلیغ شروع ہوا۔
سب سے پہلے آپ نے اُن لوگوں کو پیغام
حق سُنایا جو آپ کے حالات سے خوب
واقف تھے۔ حضرت خدیجہؓ حضرت علیؓ۔ زبیرؓ
اور حضرت ابوبکرؓ نے بلا کسی تردّد کے اس
پیغام کو قبول کیا اور ایمان لے آئے۔ یہ آپ

آپ کی صداقت کی ایک زبردست دلیل

کی صداقت کی بڑی
دلیل ہے۔ کہ اُن
لوگوں کو جو آپ کے
مخفی سے مخفی حالات سے بھی واقف تھے۔

آپ پر ایمان لانے میں ذرا بھی تامل نہیں ہوا
ورنہ اگر آپ میں کچھ بُرائی یا بناوٹ ہوتی تو
یہ لوگ بیزاری سے آپ کی تبلیغ کو رد کر دیتے

پہلے تین سالوں کی کارگذاری

اُنھی لوگوں کی خُفیہ تبلیغ
سے چند اور لوگ بھی
ایمان لے آئے۔ اور اس
طرح پہلے تین سالوں میں تقریبًا چالیس اشخاص
حلقہ بگوش اِسلام ہو گئے۔ ان میں زیادہ مشہور
حضرت عثمان حضرت زبیر حضرت سعد وقاص
فاتح ایران حضرت بلال اور عبد اللہ بن
مسعُود ہیں ؁

علانیہ تبلیغ

تین برس تک تبلیغ خفیہ ہوتی رہی۔ لیکن
آخر حکم ہُوا کہ علانیہ پیغام حق پہنچاؤ اور
پہلے اپنے خاندان والوں کو ڈراؤ۔ اس حکم
کی تعمیل میں آپ کوہ صفا پر چڑھے۔ اور پکار
کر قریش کو جمع کیا۔ جب یہ لوگ اکٹھے ہو گئے
تو آپ نے فرمایا کہ "اگر میں تم کو کہوں کہ پہاڑ
کے پیچھے سے ایک دشمن کی فوج آ رہی ہے
تو تم کو یقین آئیگا کہ نہیں"؟ سب نے کہا۔

"ہاں۔ کیونکہ ہمارا تجربہ ہے۔ کہ تو نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔" آپ نے فرمایا "تو میں کہتا ہوں کہ اگر تم ایمان نہیں لاؤ گے تو تم پر شدید عذاب نازل ہوگا۔" یہ سُن کر سب لوگ سخت ناراض ہو کر چلے گئے۔

حضرت علیؓ کی ایمانی جرأت

چند روز کے بعد آپ نے دعوت کی تیاری کی اور بنی ہاشم کو مدعو کیا کھانے کے بعد آپ کھڑے ہو گئے اور فرمایا "میں دُنیا کی ہدایت کے لئے مامور کیا گیا ہوں۔ اس بھاری بوجھ کے اُٹھانے میں کون میرا معاون ہوگا۔" سب خاموش تھے کہ اچانک حضرت علیؓ جو ابھی تیرہ سالہ نوجوان تھے اُٹھ کھڑے ہوئے اور پکار کر کہا کہ "میں آپ کا ساتھ دُوں گا۔" حاضرین اس پر ہنس پڑے۔ مگر بعد کے واقعات نے بتا دیا کہ کس طرح آپ آنحضرت کے دست و بازو ثابت ہوئے۔

حرم میں تبلیغ

اس کے بعد آپ نے حرم میں جا کر توحید کا اعلان کیا

جس پر ہنگامہ برپا ہو گیا۔ لوگوں نے ہر طرف سے آپ پر حملہ کر دیا۔ آپ کے ایک دوست نے آپ کو بچانا چاہا مگر اُن پر اتنی تلواریں پڑیں کہ وہ شہید ہو گئے۔

قریش کی ایذا دہی

اصلاح کے موانعات

ہم آج کل بھی دیکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص اصلاح کا کام شروع کرتا ہے تو دُنیا اِبتدا اِبتدا میں اس کی دشمن ہو جاتی ہے۔ بعض لوگ اپنے مذہبی اِقتدار کے زائِل ہونے کے ڈر سے بعض جہالت کے سبب بعض اپنے خُبث باطن کے باعث بعض تکبر کے سبب اور بعض اِس لیئے کہ اُن کو پُرانے خیالات بہت محبُوب ہوتے ہیں تردید کو پسند نہیں کرتے اور مصلح کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں۔ یہ سب اسباب اس وقت موجُود تھے۔ آپ کی کامیابی کے آثار دیکھ کر قریش بھڑک

اُٹھے اور مخالفت و ایذا دہی کا لمبا سلسلہ شروع ہو گیا ؛

ایذا دہی کے مختلف طریقے

ایذا دہی کے مختلف طریقے اختیار کئے گئے۔ پہلے استہزا سے کام لیا گیا۔ پھر آپ کو شاعر اور مجنون کہہ کر پکارا گیا۔ گالی گلوچ میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی۔ مگر جب کفّار نے دیکھا کہ آپ کی جماعت بڑھتی جاتی ہے اور یہ ہتھیار کام نہیں دیتے تو پھر با قاعدہ جسمانی ایذا دہی شروع کر دی۔ کبھی آپ پر مٹی پھینکتے اور کبھی آپ کی راہ میں کانٹے بچھا دیتے۔ ایک دفعہ کسی بد بخت نے جب آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے اور سجدہ میں تھے۔ تو آپ پر اونٹنی کا بچہ دان ڈال دیا۔ ایک دفعہ ایک خبیث عقبہ نامی نے آپ کے گلے میں چادر ڈال کر اس زور سے مروڑا کہ قریب تھا کہ آپ کا دم رُک جائے۔ مگر حضرت ابو بکر رض نے آپ کو چھڑا لیا ؛

قریش کا وفد ابوطالب کے پاس اور آنحضرت کی حیرت انگیز ثابت قدمی

جب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے بُت پرستی کی علانیہ مذمّت شروع کی تو بعض رؤسائے قریش ابو طالب کے پاس آئے۔ پہلے تو ابو طالب نے اُن کو نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا۔ مگر چونکہ آنحضرت تبلیغ اسلام میں برابر مصرُوف رہے اِس لئے وہ لوگ دُوسری دفعہ آئے اور ابو طالب سے کہا کہ ”ہم اپنے مذہب کی توہین نہیں سُن سکتے یا تم اپنے بھتیجے کا ساتھ چھوڑ دو یا میدان میں نکل کر فیصلہ کر لو“ ابو طالب نے سارے قریش کے مقابلہ میں اپنی کمزوری محسُوس کی تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و سلم) کو یوں خطاب کیا ”اے چچا کی جان! مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈال جس کو میں برداشت نہ کر سکوں“۔

نکتہ ان حالات میں اگر آپ کو اپنے رسول برحق ہونے پر اور اللہ تعالیٰ کی نصُرت پر یقین نہ ہوتا تو آپ کے پائے ثبات میں ضرور

لغزش آ جاتی۔ مگر چونکہ آپ کا ایمان کامل تھا آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا "خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے داہیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی رکھ دیں تب بھی میں اِس کام سے باز نہیں آؤنگا۔ یا اس کو خدا کی مدد سے پورا کرونگا یا اپنی جان دے دوں گا"

ابو طالب نے جب یہ عزم صمیم دیکھا تو بے اختیار بول اُٹھا "جا جو چاہے کر کوئی تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا"۔

قریش اور مسلمان حضرت بلال اور سمیہ والدہ عمار کی استقامت

قریش کی ایذا رسانی اب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تک محدود نہ رہی بلکہ جن جن مسلمانوں پر ان کا زور چلتا تھا اُن کو سخت سے سخت دُکھ دیتے۔ حضرت بلال ایک شخص اُمیہ کے غلام تھے۔ یہ ظالم ان کو عرب جیسے گرم مُلک کی تیز دھوپ میں عین دوپہر کے وقت میدان میں لٹا کر اُن کے سینہ پر گرم پتھر رکھ دیتا اور کہتا کہ "رسول کا ساتھ

چھوڑ دو" مگر اس شدید تکلیف کی حالت میں بھی حضرت بلال کے منہ سے صرف "احد احد" کے سوا اور کچھ نہ نکلتا۔ عمار کی والدہ سمیہ کو ابو جہل نے جو اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا شرمگاہ میں برچھی مار کر ہلاک کر دیا۔ اسیطرح دوسرے مسلمانوں کو بھی دکھ دیا جاتا تھا۔ مگر ان لوگوں کی ثابت قدمی اور ایمان کی مضبوطی حیرت انگیز ہے۔ کہ باوجود شدید تکالیف کے ایک نے بھی اسلام کو نہیں چھوڑا۔ اسلام میں ایک خدائی طاقت تھی کہ جس کسی کے دل پر اس کا قبضہ ہو گیا اس نے جان تک دے دی مگر اس کو نہ چھوڑا۔

حضرت حمزہ کون تھے

حضرت حمزہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ اور اگرچہ وہ ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے مگر چونکہ فطرت سلیم پائی تھی اسلئے آپ کو نہایت محبت کی نگاہ سے دیکھتے تھے ان کی شجاعت کی بڑی شہرت اور دھوم تھی شکار کا آپ کو بہت شوق تھا۔ آپکی عادت

تھی کہ صُبح سویرے نکل جاتے اور سارا دن شکار میں مصروف رہ کر شام کو واپس آتے پہلے حرم میں آتے اور کچھ وقت وہاں ٹھہر کر گھر واپس جاتے۔

حضرت حمزہ کیسے مُسلمان ہُوئے

ایک روز ابوجہل نے رسول اللہ سے سخت گستاخانہ باتیں کیں۔ حضرت حمزہ کی ایک کنیز نے یہ سب کچھ دیکھا اور جب آپ شکار سے واپس آئے تو سب ماجرا کہہ سُنایا۔ حضرت حمزہ غضب آلود ہو گئے۔ وہ بچپن سے آپ کے حالات کو جانتے تھے اور آپ کے اعلیٰ اخلاق کا سکہ اُن کے دل پر پہلے ہی سے بیٹھا ہُوا تھا۔ اب جو دشمنوں کی ایذا دہی کے مقابلہ میں آپ کی اِستقامت دیکھی تو اِسلام کی حقانیت سب موانع پر غالب آگئی۔ تیر کمان ہاتھ میں لے اور حرم میں جا کر ابوجہل ہی کو مخاطب کر کے کہا "میں مُسلمان ہو گیا ہوں"

حضرت عمرؓ کے ابتدائی حالات

اس کے چند روز بعد حضرت عمرؓ بھی ایمان لے

آئے۔ حضرت عمرؓ شرفائے قریش میں سے تھے۔ وہ ابوجہل کی طرح اسلام کی دشمنی میں سب سے زیادہ سرگرم تھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے انہی دو میں سے کسی ایک کے مسلمان ہونے کے لیئے دعا فرمائی تھی۔ وقت آ گیا اور یہ دعا حضرت عمرؓ کے حق میں قبول ہوئی۔ اس واقعہ کی جو دنیا کی تاریخ کے نہایت عظیم الشان واقعات میں شمار ہونے کے قابل ہے کیفیت یہ ہے

حضرت عمرؓ کی عداوتِ اسلام

حضرت عمرؓ کے بہنوئی سعد پہلے اسلام لا چکے تھے۔ اُن کے ذریعہ حضرتِ عمرؓ کی بہن فاطمہ بھی مسلمان ہو گئیں۔ اُنہی کے خاندان میں ایک اور معزز شخص نعیم بھی مسلمان ہو گئے تھے حضرت عمر کو جب یہ حال معلوم ہوا تو چڑ گئے اور سب مسلمانوں کے دشمن بن گئے اور اُن کی ایذا دہی کے درپے ہو گئے۔ ان کی ایک لونڈی بھی اسلام لا چکی تھی۔ اس کو سخت بے رحمی سے مارتے تھے۔ اس کی ثابت قدمی میں ذرا بھی لغزش پیدا نہ کر سکتے۔ دوسرے مسلمانوں

کو بھی دُکھ دیتے۔ مگر جُوں جُوں ان لوگوں کو دُکھ ملتا اُنکے قدم اِسلام پر زیادہ سے زیادہ مضبُوط ہوتے جاتے ؛

حضرت عمر رسُول اللہ کے قتل کے ارادے سے نِکلتے ہیں

جب حضرت عمر نے دیکھا۔ کہ اس طرح اِیذا دے کر وہ مُسلمانوں کو ان کے مذہب سے برگشتہ نہیں کر سکتے تو چونکہ وہ طبیعت کے نہایت تیز واقع ہُوئے تھے اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ چلو رسُول (صلے اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر کے اس تحریک ہی کا خاتمہ کر دو۔ بس پھر کیا تھا۔ تلوار لی اور آپ کے قتل کے ارادہ سے گھر سے نِکلے۔ راستہ میں نعیم ملے۔ ان کے چہرہ پر غصّہ کے آثار دیکھ کر پوچھا "کِدھر جاتے ہو" عمر نے جواب دیا "محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے" نعیم نے کہا "تمہاری بہن اور بہنوئی مُسلمان ہو چکے ہیں۔ پہلے اِن کی تو خبر لو" حضرت عمر نے اب

حضرت عمر کس طرح اِسلام لائے

بہن کے گھر کا رُخ کیا۔

وہ قرآن پڑھ رہی تھیں۔ حضرت عمر کی آہٹ پا کر چُپ ہو گئیں اور قرآن کے اوراق چھُپا لئے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا "تم کیا پڑھ رہی تھیں" انہوں نے کہا "کچھ نہیں"۔ اس پر حضرت عمرؓ اپنے بہنوئی سعیدؓ سے لپٹ گئے اور اُن کو مارنا شرُوع کیا۔ جب اُن کی بہن اپنے خاوند کو بچانے آئیں تو اُن کو بھی لہُو لہان کر دیا۔ فاطمہ کو اِسلام کے مقابلہ میں جان کی کیا پروا تھی! بولیں "عمر! جو چاہو کرو۔ اِسلام اب نہیں چھُوٹ سکتا"۔ جب حضرت عمرؓ نے یہ ثابت قدمی دیکھی تو تھم گئے اور سوچ میں پڑ گئے کہ اِسلام میں وہ کونسی قوّت ہے کہ جو اس کو قبول کرتا ہے پھر جان کے سوا چھوڑتا نہیں بہن کی طرف دیکھا اور کہا کہ "جو کچھ تم پڑھ رہیں تھیں مجھے سُناؤ"۔ فاطمہ نے قرآن کے اوراق سامنے لا کر رکھ دیئے۔ حضرت عمر نے اُٹھا کر پڑھنا شروع کیا تو یہ آیت تھی۔ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ط آخر جب اِن الفاظ پر پہنچے اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ

تو دِل اِیمان کی روشنی سے منوّر ہو گیا۔ اور بے اِختیار بول اُٹھے اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اس وقت رسُول کریم ارقم کے مکان میں رہتے تھے۔ حضرت عمرؓ وُہیں پہنچے اور جا کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ صحابہ نے آپ کو شمشیر بکف دیکھا تو دروازہ کھولنے سے ڈرے۔ مگر حضرت حمزہ نے کہا کہ "دروازہ کھولو۔ اگر نیک ارادہ سے آیا ہے تو خیر ورنہ اسی کی تلوار لیکر اس کا سر اُڑا دُونگا" جب حضرت عمر اندر داخل ہُوئے تو آنحضرت خُود آگے بڑھے اور فرمایا "عمر! کِس ارادہ سے آئے ہو" عمر نے کہا "ایمان لانے کے لِئے" رسُول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم بے اختیار پُکار اُٹھے "اللہ اکبر" اس پہ صحابہ نے اس زور سے اللہ اکبر کہا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اُٹھیں ؂

کعبہ میں پہلی نماز

حضرت عمر کے اِسلام لانے سے مُسلمانوں کی قلیل جماعت کو بڑی تقویّت پہنچی۔ اور اب با وجُود

کفّار کی مزاحمت اور مقابلہ کے مُسلمانوں نے پہلی دفعہ کعبہ میں جاکر نماز ادا کی ؛

غُربا کا ایمان۔اِسلام کی سچّائی کی دلیل

اِسلام میں اسوقت تک زیادہ تر غریب اور بے کس لوگ ہی داخل ہُوئے تھے۔ایسے لوگوں میں چونکہ تکبر اور غرور مطلق نہیں ہوتا۔اس لئے اُن کی عقلیں صاف ہوتی ہیں اور ہر حق و باطل کو بڑے بڑے لوگوں سے بہتر پرکھ سکتے ہیں۔ اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عیسائی مشنریوں کی طرح کوئی فنڈ نہیں تھا بلکہ ایذا دہی اور مخالفت پر ایک ملک کا ملک تلا ہُوا تھا ایسے حالات میں ان لوگوں کا ایمان لانا اِسلام کی حقانیّت کی ایک بڑی دلیل ہے ؛

حضرت عمر کا اِسلام رسُول کی سچّائی کی دلیل ہے۔

حضرت عمرؓ کا ایمان اسلام کے سچّے ہونے کی ایک اور زبردست دلیل ہے۔اسلام کے سامنے اس وقت دُنیا داروں کی نِگاہ میں

کوئی شاندار مستقبل نہیں تھا۔ اِس لِئے عمرؓ
کے اسلام قبول کرنے کا محرک کِسی طرح کی
طمع یا دُنیاوی لالچ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ
اِسلام کی باطنی اور ظاہری خوبیاں تھیں جو
مدتوں سے آپ کے دل کو مسخر کر رہی تھیں۔
آپ کی تبدیلئ مذہب ناگہانی واقعہ بھی نہیں
ہو سکتا کیونکہ آپ قریش کے معززین میں
شامل تھے اپنی قوم کے مُعاملات میں پُورا دخل
رکھتے تھے اور ان کے گرد و پیش جو کُچھ روز
مرّہ ہوتا تھا اس سے خُوب واقف تھے۔ اس
طرح وہ آپ کے حالات سے بھی پورے واقف
ہونگے اور ضرور خاموشی سے اِسلام کی تعلیمات
اور اُن کے اثر کا مُطالعہ کرتے رہتے ہونگے۔
چنانچہ حضرت عمرؓ کی بعد کی زندگی نے دُنیا پر
ثابت کر دیا ہے کہ آپ دُنیا کی چند ایک بزرگ
ترین ہستیوں میں شامل ہونے کے قابل تھے
آپ کی عقل کی صفائی آپ کی صائب رائی
آپ کا تدبر اور معاملہ فہمی۔ پھر خلافت کے
دَوران میں با وُجود دنیا کے سب سے بڑے

شہنشاہ ہونے کے آپ کا زُہد و اتّقا- اور پھر
آپ کی قوت اجتہاد اور دینی علوم کی فہم! یہ ہو
نہیں سکتا کہ آپ جیسے انسان نے اِسلام کو
اچانک بلا سوچے سمجھے صِرف ایک سُورت کو
پڑھ کر قبول کر لیا ہو- بلکہ آپ کا اِسلام لانا
ایک لمبے تحقیقاتی سِلسلہ کی آخری کڑی تھی-
اس لحاظ سے آپ کا اِسلام اس مذہب کی
صداقت کی ایک بڑی زبردست دلیل ہے ؂

ہجرت حبشہ - ۵ سنہ نبوت

ہجرت حبشہ جب قریش کا ظلم حد سے بڑھ
گیا اور مُسلمانوں کے لیئے امن
و آزادی کی کوئی گنجایش نہ رہی تو رسُول اکرم
صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے دوستوں کو ہدایت
کی کہ وہ حبش کو ہجرت کر جائیں- حبش کا بادشاہ
نجاشی کہلاتا تھا- پہلی مرتبہ گیارہ مردوں اور چار
عورتوں نے ہجرت کی- یہ واقعہ نبوّت کے
پانچویں سال میں ہؤا- جب قریش کو پتہ لگا
تو اُنہوں نے سمندر تک تعاقب کیا- مگر اُنکے

پہنچنے سے پہلے مہاجروں کا جہاز روانہ ہو چکا تھا ؛

قریش اور مہاجرین حبشہ

حبش میں مہاجروں کو امن اور آزادی میسر ہوئی۔ مگر اس بات نے قریش کے غضب کی آگ پر تیل کا کام دیا۔ بڑی سوچ بچار کے بعد اُنھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ نجاشی کے پاس سفارت بھیجی جائے اور اس سے تقاضا کیا جائے کہ وہ ان پناہ گزینوں کو اپنے مُلک سے نکال دے۔ یہ سفیر بادشاہ اور اس کے درباریوں کے لیئے بڑے قیمتی تحفے ساتھ لے گئے۔ پہلے اُنھوں نے پادریوں کو اُکسایا اور پھر بادشاہ کے حضُور حاضر ہو کر کہا کہ " یہ لوگ آپ کے مذہب کے بھی دشمن ہیں اور ہمارے مذہب کے بھی۔ آپ انہیں ہمارے حوالے کر دیں " نجاشی نے جواب دہی کے لیئے مُسلمانوں کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ ان کی طرف سے حضرت جعفر نے جو حضرت علی رض کے بھائی تھے مفصّلہ ذیل تقریر کی ؛

عرب کی حالت کا خاکہ اور اِسلام کی تعلیم۔

"اے بادشاہ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے جو بتوں کو پوجتے تھے مردار کھاتے تھے بدکاریاں کرتے تھے اور ہمسایوں کو ستاتے تھے۔ بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا۔ زور آور کمزوروں کو کھا جاتے تھے جب ہماری یہ حالت تھی تو ہم میں ایک شخص پیدا ہُوا جس کی شرافت صدق اور دیانت سے ہم پہلے سے واقف تھے۔ اس نے ہم کو یہ تعلیم دی کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں۔ سچ بولیں۔ خون ریزی سے باز آئیں۔ یتیموں کا مال نہ کھائیں۔ ہمسایوں کو آرام دیں پاک دامن عورتوں کو بدنام نہ کریں۔ نماز پڑھیں۔ روزے رکھیں۔ زکوٰۃ دیں۔ ہم اُس پر ایمان لائے ہیں۔ ہم نے بُت پرستی چھوڑ دی ہے۔ اور سب بد اعمالیوں سے باز آگئے ہیں۔ ہماری قوم ہماری دُشمن بن گئی ہے اور ہم کو پھر اس گمراہی میں واپس لے جانا چاہتی

حضرت جعفر کی تقریر کا نجاشی پر اثر

ہے"۔ حضرت جعفر کی اس تقریر نے جو اِسلام کی تعلیم کا نہایت لطیف خلاصہ ہے اور جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُن مسلمانوں نے کس طرح سمجھ سوچ کر بصیرت کے ساتھ اِسلام کی خوبیوں کے قائل ہو کر اِسلام قبول کیا تھا نجاشی پر بڑا اثر کیا۔ اس نے حضرت جعفر سے قرآن سُنانے کی درخواست کی۔ حضرت جعفر نے سُورۂ مریم کی چند آیات پڑھیں جن کو سُنکر نجاشی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اس نے قرآن مجید کے خدا کا کلام ہونے کا اقرار کرتے ہُوئے قریش کے سفیروں سے کہا کہ "میں اِن مظلوموں کو تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔ تم واپس چلے جاؤ"۔

قریش کا مزید تقاضا

دوسرے روز سفیر پھر دربار میں حاضر ہُوئے اور نجاشی سے کہا کہ "آپ ان لوگوں سے پوچھیں کہ یہ حضرت عیسٰی کی نِسبت کیا اعتقاد رکھتے ہیں"۔ نجاشی نے پھر مسلمانوں

کو بلایا اور پوچھا کہ" تم عیسٰے کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہو" حضرت جعفر نے جواب دیا" ہمارا اعتقاد ہے کہ عیسٰے خدا کا بندہ اور اس کا پیغمبر اور کلمتہ اللہ ہے" جب نجاشی نے عیسٰے کے متعلق مسلمانوں کے یہ عقائد سُنے تو اُس نے اس عقیدے کی درستی کو تسلیم کر لیا۔ اور پادریوں کی ناراضگی کی جو وہاں موجود تھے کچھ پروا نہ کی ؛

اس ناکامی سے قریش غضبناک ہوجاتے ہیں۔

قریش کے سفیر اس طرح نامراد واپس گئے۔ اس ناکامی سے قریش کے غیظ و غضب کی آگ اور بھی زیادہ بھڑک اُٹھی اور ان کی ایذا دہی میں بہت زیادتی ہو گئی۔ اِس لئے اگلے سال اور بہت سے مسلمان ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ یہاں تک کہ علاوہ بچوں کے ۱۰۱ مرد اور عورتیں اس مُلک میں جمع ہو گئیں۔ ان میں سے بعض تو رسُول صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد مدینہ میں

واپس آ گئے۔ مگر اکثر ہجرت کے چھ سال بعد واپس ہُوئے ۞

حبشہ میں مُسلمانوں نے کِن اخلاق کا اِظہار کیا۔

حبش کی ہجرت میں بعض ایسے واقعات ہُوئے جن سے مُسلمانوں کی ذہنیت اور اُن کے اخلاق کا پتہ لگتا ہے۔ اُن کی اقامت کے دوران میں نجاشی کے ملک پر کِسی بیرونی دشمن نے حملہ کیا۔ مُسلمانوں نے نہ صرف نجاشی کی فتح کے لِئے دعائیں مانگیں بلکہ اس کی طرف سے لڑ کر اس کو فتح حاصل کرنے میں مدد بھی دی اور اس طرح اپنی اعلیٰ درجہ کی احسان شناسی اور وفاداری کا ثبوت دیا ۞

بائیکاٹ ۷ تا ۱۰ نبوّت

تبلیغ سے روکنے کے لِئے تحرِیص اور آپ کی استقامت

جب قریش کو رسُول صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابل میں ہر طرح ناکامی اور نامرادی

نصیب ہوئی اور اُنہوں نے دیکھا کہ وہ اِسلام کی اشاعت کو کِسی طرح بھی نہیں روک سکتے تو اُنہوں نے ابو طالب سے وہ مطالبہ کیا جِس کا اوپر ذکر آ چکا ہے۔ جب دھمکیوں سے کام نہ نِکلا اور ابو طالب نے آپ کا ساتھ چھوڑنے سے صاف اِنکار کر دیا تو قریش کو یہ سُوجھی کہ لالچ سے کام نکالیں۔ چنانچہ اُن میں سے بعض اکابر خود رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور کہا ”اگر تم کو بادشاہی کی خواہش ہے تو ہم تم کو اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں۔ اگر تم دولت چاہتے ہو تو تم جِس قدر مال مانگتے ہو ہم دینے کے لئے تیار ہیں۔ اگر تم کو عورتوں کی ضرورت ہے تو سب سے زِیادہ خوبصُورت عورت جِس کو تم پسند کرو تمہارے نِکاح میں دے دیتے ہیں۔ مگر تم اِس نئے مذہب کی اشاعت سے باز آ جاؤ۔“ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس درخواست کے جواب میں قرآن مجید کی چند آیات پڑھ دیں۔ وفد کے رئیس عتبہ

نے جب یہ آیات سنیں تو اس کا دل نرم ہوگیا اور اس نے جا کر قریش سے کہا کہ "تم محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر وہ غالب آگیا تو اس میں تمہاری ہی عزت ہے ورنہ وہ خود فنا ہو جائیگا" مگر قریش کو یہ بات پسند نہ آئی ؁

رسُول اللہ کا قریش کی طرف سے بائیکاٹ

قریش نے جب دیکھا کہ ابو طالب آپ کا ساتھ چھوڑنے کے لئے تیار نہیں اور لالچ سے بھی کام نہیں نکلا تو اُنھوں نے ایذا دہی کا ایک نہایت شریرانہ اور ظالمانہ طریق سوچا۔ وہ یہ کہ اُنھوں نے نبوّت کے ساتویں سال میں یہ معاہدہ کیا کہ کوئی شخص بنو ہاشم سے نہ شادی نِکاح کرے گا نہ اُن سے مِلے گا اور نہ اُن کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کریگا جب تک کہ وہ رسُول صلے اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لِئے ان کے حوالے نہ کر دیں" یہ معاہدہ لِکھا گیا اور کعبہ میں

لٹکا دیا گیا ؎

بائیکاٹ کی سختی

ابو طالب سب بنی ہاشم کو لے کر مکہ کے ایک حِصّہ میں جو شعب ابو طالب کے نام سے مشہُور ہے پناہ گزین ہو گئے۔ یہاں اُنھوں نے تین سال نہایت مُصیبت میں گذارے۔ ابو جہل سخت نگرانی کرتا کہ کوئی کھانے کی چیز محصورین تک نہ پُہنچے۔ اِس لئے بعض اوقات بھُوک سے مرنے تک نوبت پُہنچ جاتی۔ بعض نرم دل جب بچّوں کے رونے کی آواز سُنتے تو موقع پا کر کچھ خوردنی اشیا اندر پُہنچا دیتے مگر جب دشمن ان آوازوں کو سنتے تو خوش ہوتے ؎

بائیکاٹ کا خاتمہ

مگر بعض نیک دل لوگوں کو خیال آیا کہ جب یہ حربہ بھی محمد (صلے اللہ علیہ و سلم) کی استقامت میں تزلزل پیدا نہیں کر سکتا تو بے فائدہ ظلم سے کیا حاصل ؟ آخر ایک شخص مطعم نے باوجود ابوجہل کے روکنے کے

کعبہ میں جا کر وہ معاہدہ اپنے ہاتھ سے پھاڑ ڈالا اور پھر چند دوسرے اشخاص کو ساتھ لے کر محصورین کو شعب سے جا کر نکالا اور ان کو اپنے گھروں بھیج دیا ؛

عام الحزن

یہ واقعہ بعثت کے دسویں سال میں ہُوا۔ اِسی سال میں حضرت خدیجہ اور ابو طالب نے وفات پائی ان دونو غمگساروں کے اُٹھ جانے سے آپ کو بڑا صدمہ ہُوا اور اِس لِئے آپ نے اِس سال کا نام "عام الحزن" رکھا ؛

ابوطالب کی وفات سے ہجرت تک

قریش کا ظلم اور آپ کا اپنی کامیابی پر یقین۔

ابو طالب قریش میں ایک اعلیٰ حیثیت رکھتے تھے۔اِن کی وفات کے بعد قریش کی ایذا دہی اور بھی زیادہ ہو گئی۔ ایک دفعہ آپ جا رہے تھے۔ کہ ایک ظالم نے آپ کے سر پر مٹی ڈال دی اِسی حالت میں آپ گھر تشریف لائے۔ آپ کی

صاحبزادی سر دھنتی جاتی تھیں اور روتی جاتی تھیں - آپ نے اس کا رونا دیکھ کر ازراہ تسلّی فرمایا - کہ "روؤ نہیں - اللہ تعالیٰ تمہارے باپ کو کامیاب کریگا" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود ان مایوس کن واقعات کے آپ کے دل میں یقین واثق تھا کہ انجام کار آپ کامیاب ہونگے - اس مضبوط یقین کے سوائے اس کے اور کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ وہی ہستی سب کائنات پر متصرف ہے آپ کی ڈھارس بندھاتی تھی - ورنہ ایسی حالت میں کسی دوسرے آدمی کا طرز عمل کچھ اور ہوتا ٭

طائف میں تبلیغ اور اہل طائف کی بدسلوکی

آپ نے جب دیکھا کہ اہلِ مکہ پر آپ کی تعلیم کوئی اثر نہیں کرتی تو آپ نے طائف کا ارادہ کیا - وہاں پہنچکر سب سے اول ایک معزز خاندان کے ہاں آپ تشریف لے گئے - لیکن ان لوگوں نے آپ سے

نہایت گستاخانہ سلوک کیا اور شہر کے اوباشوں کو اُبھارا کہ آپ کی ہنسی اُڑائیں۔ یہ بد معاش دُور تک راستہ کے دونو طرف کھڑے ہو گئے اور آپ پر پتھر برسانے شروع کئے حتیٰ کہ آپ کی جوتیاں خُون سے بھر گئیں۔ جب آپ زخموں سے چُور ہو کر بیٹھ جاتے تو ایک بد بخت آتا اور آپ کو اُٹھا دیتا کہ تمہارا یہاں بیٹھنے کا کوئی کام نہیں۔ جب آپ اُٹھ کر چلتے تو پھر پتھر برسنے شروع ہو جاتے۔ آخر آپ نے ایک باغ میں پناہ لی۔ باغ کا مالک کوئی شریف آدمی تھا۔ جب اس نے آپ کو اس حالت میں دیکھا تو آپ کے پاس انگور بھیجے۔ یہاں سے آپ پھر مکّہ میں واپس تشریف لائے ◆

حج اور میلوں میں تبلیغ اور ابُو لہب

واپس آنے کے بعد آپ نے یہ طریق اختیار کیا کہ جب حج کا زمانہ قریب آتا اور مختلف قبیلے عرب کی اطراف سے حج کے لئے مکّہ آتے تو آپ ہر قبیلے

کے پاس جاتے اور پیغام حق سُناتے ۔ پھر عرب میں مختلف مقامات پر میلے لگتے ۔ آپ ان میلوں میں جاتے اور اپنا فرض ادا کرتے لیکن ابو لہب ہر جگہ ساتھ ہی جاتا اور جب آپ کسی مجمع میں تقریر فرماتے تو وہ کہتا کہ "یہ شخص اپنے دین سے پھر گیا ہے اور جھوٹ بولتا ہے" ایسی باتیں سُن کر قبائل کے لوگ بھی آپ کی تعلیم کی طرف چنداں توجہ نہ کرتے ؎

ایذا دہی کے مختلف طریقے

اس اثنا میں کفار کی ایذا دہی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی بلکہ زیادتی ہی زیادتی تھی ۔ یہ لوگ آپ کے راستہ میں کانٹے بچھا دیتے ۔ جب آپ نماز پڑھتے تو سجدہ میں آپ پر اونٹ کی اوجھری ڈال دیتے ۔ جادوگر اور مجنوں کہتے ۔ لڑکوں سے ہنسی ٹھٹھا کراتے ۔ اور آپ کو اور آپ کے خدا کو گالیاں دیتے ؎

ابو جہل کی ایذا دہی کا طریق

ایک دفعہ

آپ ایک مجمع میں وعظ فرما رہے تھے ابوجہل آپ پر خاک پھینکتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ اس کے فریب میں نہ آنا یہ چاہتا ہے کہ تم کو لات و عزیٰ کی پرستش سے روکے ٭

آپ کی استقامت اور یقین

اِن حوصلہ شکن اور صبر آزما حالات میں کیا آپ مایوس ہوئے؟ کیا آپ کے عزم اور استقامت میں بال برابر بھی فرق آیا؟ ہرگز نہیں۔ کیوں؟ اِس لئے کہ آپ کی پیٹھ پر ایک ہاتھ تھا اور آپ کو یقین کامل تھا کہ مجھے خدا نے بھیجا ہے یہ سب رکاوٹیں ہٹ جائیں گی۔ اور میں ضرور اپنے مشن کو پورا کر کے رہونگا ٭

کفار کے لئے بد دُعا کرنے کی درخواست اور آپ کا جواب

قریش کی ایذا رسانی سے تنگ آ کر ایک صحابی نے عرض کی "کہ آپ اُن کے حق میں بد دُعا کیوں نہیں فرماتے" آپ

کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور آپ نے وہ جواب دیا جو ہر سمجھ دار آدمی کے غور کے قابل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "خدا اس کام کو پُورا کرے گا۔ یہاں تک کہ شتر سوار صنعا سے حضرموت تک سفر کرے گا اور اس کو سوائے خدا کے اور کسی کا ڈر نہ ہو گا۔"

خزرج کا اِسلام اور بیعت عقبہ ۱۱ نبوّت

قریش کے دل نہایت سخت تھے اور وہ اپنی قساوت قلبی میں اس حد تک پہنچ چکے تھے کہ اِسلام کا پَودا اِن کے دلوں میں نہ لگ سکا۔ آخر جب وقت آ گیا تو اللہ تعالیٰ کی نُصرت آئی۔ اس کی کیفیت یوں ہے کہ ایام حج میں جب آپ دعوت اِسلام کا کام کر رہے تھے آپ عقبہ کے قریب خزرج کے قبیلے کے چند آدمیوں کے پاس آئے یہ لوگ مدینے کے رہنے والے تھے اور چونکہ مدینہ میں یہودی رہتے تھے ان لوگوں نے ان

سے سُنا تھا کہ ایک نبی آنے والا ہے۔
بس کچھ تو اس پیشینگوئی کے اثر سے اور
کچھ آپ کی تعلیم کی خوبی کے اثر سے یہ
لوگ مسلمان ہو گئے۔ یہ واقعہ سنلہ میں
ہُوا۔ دُوسرے سال بارہ آدمی مدینہ سے
آئے اور اُنھوں نے آپ سے بیعت کی۔

بیعت کی شرائط

بیعت کے الفاظ یہ تھے
"ہم اللہ کے ساتھ
کِسی کو شریک نہیں کریں گے۔ چوری
نہیں کرینگے۔ زنا کاری نہیں کریں گے
اپنی اولاد کو قتل نہیں کرینگے۔ بُہتان
نہیں باندھیں گے۔ اور امرِ معرُوف میں
آپ کی نافرمانی نہیں کرینگے"۔

انصار۔ مدینہ میں اِسلام کی ترقی

اِن لوگوں نے اب
خواہش کی کہ ان کے
ساتھ کوئی آدمی مدینے
میں جاتے جو لوگوں کو اِسلام سِکھائے۔ آپ
نے ایک صحابی ان کے ساتھ بھیجا اور ان

کی تبلیغ سے مدینہ میں اِسلام نے بڑی ترقی کی - خزرج میں تھوڑا بہت اِسلام تو پھیل ہی چکا تھا - اب ایک دُوسرے بڑے قبیلے اوس کے بہت سے آدمی مسلمان ہو گئے - یہ لوگ بعد میں انصار کہلائے ؛

انصار سے حفاظت کی بیعت

اگلے سال پھر حج کا موسم آیا تو تہتّر مرد اور عورتیں مدینہ سے حج کے لئے آئے - عقبہ کے مقام پر ان کی آپ سے ملاقات ہوئی - ان لوگوں نے آپ کو مدینہ چلے جانے کی درخواست کی - چونکہ آپ قریش کی کینہ وری اور شرارت سے خوب واقف تھے - اس لئے آپنے انصار سے اپنی حفاظت کے لیئے بیعت لی ؛

صحابہ کی ہجرت - آپ کی شجاعت - اور دوستوں پر شفقت

اب چونکہ مدینہ مسلمانوں کے لیئے جائے امن بن گیا تھا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اجازت دی کہ جو چاہے مدینہ میں ہجرت کر جائے - قریش نے بہتیری

مزاحمت کی لیکن اکثر صحابہ مدینہ پہنچ گئے - صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر اور حضرت علی رہ گئے - اپنے دوستوں کو خطرہ کے مقام سے پہلے نکال دینا اور خود دشمنوں کے نرغہ میں تن تنہا رہ جانا! اس سے اندازہ کرو کہ آپ کے دل میں اپنے دوستوں کے لیئے کس قدر شفقت تھی اور آپ کو اپنے بھیجنے والے کی نصرت پر کتنا مضبوط یقین تھا اور آپ کس حد تک شجاع تھے ؛

ہجرت ۱۳ سنہ نبوت

مدینہ میں اسلام کی کامیابی سے قریش کے سینوں میں آگ لگی ہوئی تھی - سب اصحاب مکہ چھوڑ چکے تھے - مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ و سلم کو ابھی ہجرت کا حکم نہیں ہوا تھا ؛

دارالندوہ میں قریش کے مشورے اور آپکے قتل کی سازش

کفار نے ایک آخری فیصلہ کے لئے دارالندوہ میں ایک عام جلسہ کیا - اس جلسہ میں

سب بڑے بڑے قبائل کے رؤسا موجود تھے۔ مختلف رائیں پیش ہوئیں۔ ایک رائے تھی کہ آپ کو پکڑ کر قید کر دیا جائے۔ ایک نے کہا کہ آپ کو جلا وطن کر دیا جائے۔ مگر جلسہ کو یہ رائیں پسند نہ آئیں آخر ابوجہل نے کہا کہ "جب تک محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) زندہ ہیں خواہ کہیں ہوں اسلام ضرور پھیلے گا۔ اگر اسلام کو مٹانا چاہتے ہو تو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا کام تمام کرنا ضروری ہے۔ اس لئے چاہیئے کہ ہر قبیلے سے ایک ایک جوان نکلے اور سب ملکر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) پر ٹوٹ پڑیں۔ اور تلواروں سے اس کا کام تمام کر دیں"۔ اس رائے پر سب نے اتفاق کیا اور آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیا تاکہ جب آپ گھر سے باہر نکلیں تو آپ کو قتل کر دیں ؛

ہجرت کا حکم

اِدھر کفار نے یہ فیصلہ کیا اُدھر اللہ تعالےٰ کی طرف سے آپ کو حکم ہُوا کہ مدینہ کی طرف ہجرت کر جاؤ۔ اس پر آپ نے حضرت علی کو بلایا اور فرمایا

کہ "مجھے اللہ تعالےٰ نے ہجرت کا حکم دے دیا ہے تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھ کر سو جاؤ۔ صبح کو قریش کی جس قدر امانتیں میرے پاس ہیں سب ادا کر دینا"۔

آپ کی امانت داری

جانی دشمن قتل پر تلے ہُوئے ہیں۔ مگر آپ کو اپنی جان کا اتنا فکر نہیں جتنا اس بات کا فکر ہے کہ قاتلوں نے جو امانتیں آپ کے پاس رکھی ہیں وہ ادا ہونے سے نہ رہ جائیں۔ اِس لیے آپ حضرت علیؓ کو حکم دیتے ہیں۔ کہ صبح ان لوگوں کی امانتیں ادا کرکے مدینے کا رُخ کرنا۔

آپ کا گھر سے نِکلنا اور غارِ ثور سے بچکر نِکل جانا دو بڑے مُعجزے ہیں

اِس کے بعد کُچھ رات گئے آپ گھر سے نکلے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار پر جو اپنی طرف سے قتل کے لیئے تیار بیٹھے تھے نیند غالب کر دی۔ آپ اُن کے بیچ سے ہوتے ہُوئے باہر نکلے اور حضرت ابو بکر کو ساتھ

لے کر جن سے پہلے ہی بات چیت ہو چکی تھی غار ثور کی طرف روانہ ہوئے جو مکہ سے تین میل دُور ہے۔ حضرت ابو بکر غار میں پہلے داخل ہوئے اور اس کو صاف کیا۔ اور پھر رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلّم) داخل ہوئے۔ صبح ہوئی تو محاصرین کو پتہ لگا کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) ان کی آنکھوں میں خاک جھونک کر نکل گئے ہیں۔ فوراً تلاش کو نکلے اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے ایک دفعہ غار کے مُنہ تک پہنچ گئے۔ مگر چونکہ حافظ حقیقی کی حفاظت تھی۔ اِس لئے وہ غار کے اندر داخل نہ ہوئے۔ غور کرو! مکّہ سے اتنا فاصلہ طے کرکے آنا اور اس علم کے ساتھ کہ غار ہی چھپنے کی جگہ ہو سکتی ہے اور پھر غار میں تلاش نہ کرنا! یہ آپ کا معجزہ نہیں تو کیا ہے؟

غار کے اندر کیا ہوا

جب کفار غار کے سر پر پہنچے تو ان کے پاؤں کی آہٹ سُنکر حضرت ابو بکر بتقاضائے بشری کچھ غمگین ہوئے کہ شاید پکڑے جائیں

مگر آپ نے کیا فرمایا ! " لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ ابو بکر ! غمگین نہ ہو۔ اللہ تعالےٰ ہمارے ساتھ ہے۔" سوچنے کی بات ہے کہ حضرت ابو بکر کیوں غمگین ہوتے ہیں اور رسول (صلی اللہ علیہ و سلم) کیوں مطمئن ہیں۔ دونو ایک ہی حالت میں ہیں مگر پھر یہ فرق کیوں ؟ صرف اِس لیئے کہ آپ کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے تسلی تھی اور ابو بکر اس مقام پر نہیں تھے ؛

حضرت ابو بکر کی جان نثاری

غار ثور میں جب آپ حضرت ابو بکر کے زانو پر سر رکھ کر آرام فرما رہے تھے تو پاس ہی ایک سوراخ میں سے ایک سانپ نے سر نکالا۔ حضرت ابو بکر سے اس وقت اور تو کچھ نہ ہو سکا سوراخ پر پاؤں رکھ دیا۔ سانپ نے کاٹ لیا۔ آپ درد سے بے تاب ہو گئے مگر یہ نہ کیا کہ جسم کو حرکت دیں اس خیال سے کہ آپ بیدار ہو جائیں گے۔ آخر آپ بیدار ہوئے اور ابو بکر سے

بے چینی کا سبب پوچھا۔ اُنہوں نے سب حال کہہ سُنایا تو آنحضرت صلے اللہ علیہ و سلم نے زخم پر اپنا آب دہن لگا دیا جس سے زہر کا اثر دُور ہو گیا ؂

قریش کا آپ کی گرفتاری کیلئے اعلان

آپ غار میں تین روز رہے۔ چوتھے روز جب قریش نے تلاش چھوڑ دی تو آپ غار سے تو اونٹنیوں پر سوار ہو کر جو حضرت ابوبکر نے پہلے سے تیار کر رکھی تھیں مدینہ کی طرف روانہ ہُوئے۔ مگر قریش پیچھا چھوڑنے والے کب تھے۔ اُنہوں نے اعلان کیا کہ "جو شخص آنحضرت (صلے اللہ علیہ و سلم) کو گرفتار کر کے لائے گا۔ اس کو سو اُونٹ انعام دیئے جاویں گے" ؂

سراقہ کا واقعہ آپ کا بڑا مُعجزہ ہے۔

ایک شخص سراقہ نامی نے جب یہ سُنا تو تلاش میں نِکلا۔ تعاقب کر کے آپ کے قریب پہنچ گیا۔ مگر قدرت خداوندی! گھوڑے نے ٹھوکر

کھائی اور وہ گر پڑا۔ پھر پیچھا کیا۔ پھر بھی گرا تیسری دفعہ بہت قریب آگیا چاہتا تھا کہ تیر سے وار کرے۔ مگر اس دفعہ گھوڑے کے اگلے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ سراقہ نے اس کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم کا معجزہ سمجھا اور قتل کا ارادہ ترک کر کے خدمت میں حاضر ہوا اور معافی چاہی۔ آپ نے اُسے معافی نامہ لکھ دیا اور کہا کہ "سراقہ میں تیرے ہاتھ میں سونے کے کنگن دیکھتا ہوں" یہ پیشین گوئی حضرت عمر رضہ کے عہد میں پوری ہوئی ؛

مکہ میں واپس آنے کی خوشخبری۔

اسی سفر میں اللہ تعالٰے نے آپ کو یہ خوشخبری بھی سُنا دی کہ آپ جس شہر سے اس بے سرو سامانی کی حالت میں نکل رہے ہیں میں آپ کو پھر اسی شہر میں واپس لاؤں گا۔ جس شان سے آپ اس شہر میں پھر واپس تشریف لائے اُس کا بیان آگے آئے گا ؛

حضرت علیؓ اور حضرت ابوبکرؓ کی جان نثاری سے سبق

ہجرت کے نہایت ہی سبق آموز واقعات میں حضرت علی کی جان نثاری اور حضرت ابو بکر کی وفاداری بھی ہیں۔ان دونو بزرگوں نے آپ کی خاطر اپنی جان کو خطرے میں ڈالا۔جان نثاری سوائے شدید محبت کے کبھی پیدا نہیں ہو سکتی۔بھلا آپ کے ساتھ ان کو کیوں اتنی شدید محبت تھی؟ ایک بادشاہ سے محبت ہو سکتی ہے کیونکہ اُس سے دولت عزت اور جاہ کی توقعات وابستہ ہوتی ہیں مگر ایک بے کس جلا وطن سے اتنی محبت کیوں؟ صرف اِس لئے کہ وہ آپ کے خارق عادت اخلاق اور ان خارق عادت واقعات کو روز مرّہ دیکھتے تھے۔

مدینہ میں استقبال اور سب سے پہلی مسجد کی تعمیر۔

آخر یہ سفر جو دُنیا کے عظیم ترین واقعات میں سے ہے اختتام کے قریب پہنچا۔ مدینہ میں

نہایت بے تابی سے انتظار ہو رہا تھا۔ جب آپ کے پہنچنے کی خبر پھیلی تو تمام شہر تکبیر کی صدا سے گونج اُٹھا۔ انصار جوق در جوق گھروں سے نکل آئے۔ مقام قبا میں جہاں کچھ انصار کے خاندان آباد تھے آپ نے چودہ روز قیام کیا۔ حضرت علی بھی یہیں پہنچ گئے۔ یہاں آپ نے سب سے پہلی مسجد تعمیر کرائی۔ اور اس کی تعمیر میں آپ نے اور صحابہ نے خود مزدوروں کی طرح کام کیا۔ اس کے بعد آپ شہر میں داخل ہوئے۔ لوگوں میں خوشی کا ایک جوش تھا کہ تھما نہیں رہتا تھا۔ قبا سے مدینہ تک راستہ کے دونو طرف جان نثار کھڑے تھے۔ جب شہر کے قریب پہنچے تو عورتیں کوٹھوں پر چڑھ کر یہ گیت گاتی تھیں :۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا ما دعا اللہ داعی

کوہِ وداع کی گھاٹیوں سے ہم پر ماہِ کامل

طلوع ہوا۔ ہم پر خدا کا شکر واجب ہے جب تک دعا مانگنے والے دُعا مانگیں ؂

چھوٹی چھوٹی لڑکیاں دف بجاتی تھیں اور گاتی تھیں :-

نحن جوار من بنی النجار

یا حبذا محمدؐ من جار

ہم خاندان نجار کی لڑکیاں ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کتنا اچھا ہمسایہ ہے ؂

حضرت ابو ایوبؓ کے مکان پر قیام

انصار میں سے ہر ایک کی تمنا تھی کہ آپ اُس کے مہمان بنیں لیکن آپ نے اپنی میزبانی کا شرف ابو ایوبؓ کو بخشا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سات مہینے حضرت ابو ایوب کے مکان میں رہے اور جب مسجد نبوی اور آپ کی رہائش کے لئے مکان تیار ہو گیا تو آپ وہاں تشریف لے گئے ؂

ابو ایوبؓ کا جذبہ ایثار

حضرت ابو ایوب کا مکان دو منزلہ

تھا۔ اُنھوں نے چاہا کہ حضور بالائی منزل میں رہیں۔ مگر آپ نے آنے والوں کی سہولت کے لیئے نچلی منزل میں رہنا پسند فرمایا۔ ایک روز اتفاق سے اوپر والی منزل میں پانی کا برتن ٹوٹنے سے اندیشہ ہوا کہ پانی نیچے بہ جائے اور حضور کو تکلیف ہو۔ حضرت ابو ایوب کے گھر میں صرف ایک ہی لحاف تھا۔ آپ نے اپنے آرام کے خیال کو بالائے طاق رکھ کر لحاف پانی پر ڈال دیا تاکہ پانی جذب ہو جائے اور نیچے نہ جاوے ؛

رسُول اللہ کی حق شناسی

جو جگہ مسجد نبوی کے لیئے تجویز ہوئی وہ خاندان نجار کے دو یتیموں کی ملکیت تھی۔ آپ نے ان کو بلوا بھیجا۔ اُنھوں نے یہ زمین مُفت نذر کرنی چاہی۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہ کیا اور زمین کی قیمت ادا کر دی ؛

اذان اور حضرت بلال

انھی ایام میں نماز کے لیئے لوگوں

کو بلانے کے واسطے اذان جاری ہوئی اور حضرت بلالؓ مؤذن مقرر ہوئے ؛

مواخات اور انصار کا ایثار

مہاجرین مکہ سے سب کچھ چھوڑ کر نکلے تھے اور اس وقت ان کی امداد کی ضرورت تھی۔ آپ نے حضرت انسؓ کے مکان میں مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور ایک ایک مہاجر اور ایک ایک انصاری میں بھائی بندی قائم کی۔ اس کے بعد انصار مہاجرین کو اپنے گھروں میں لے گئے اور ہر ایک چیز کا نصف ان کے حوالہ کر دیا ؛

سعدؓ بن الربیع انصاری کا ایثار

ایک انصاری جن کا نام سعدؓ بن الربیع تھا ان کے بھائی عبد الرحمٰنؓ بن عوف بنائے گئے۔ سعد کی دو بیویاں تھیں۔ اُنہوں نے عبد الرحمٰن سے کہا کہ "میری دو بیویاں ہیں۔ آپ کی بیوی نہیں۔ میں ایک کو طلاق دے دیتا ہوں۔ آپ اُس سے نکاح کر لیں" عبد الرحمٰن نے شکریہ ادا کیا مگر اس تجویز کو قبول نہ کیا ؛

مُسلمانوں کی غیرت اور قوم پروری

انصار مہاجرین کی ہر قسم کی اِمداد کرنے پر کمر بستہ تھے۔ مگر مہاجرین ایسے غیرت مند تھے کہ وہ کسی کے لئے بار بننا پسند نہیں کرتے تھے۔ اِس لئے جو کام مِل جاتا کرتے اور پیٹ پالتے۔ اور جو کچھ بچ جاتا بیت المال میں داخل کر دیتے کہ قومی ضروریات پر خرچ ہو۔ اِنہیں اِن باتوں سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔ بہُت سے مہاجرین نے تجارت شروع کر دی اور اس سے بیشمار روپیہ پیدا کیا۔

اس مواخات کی بدولت جو رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے انصار اور مہاجرین میں قائم کی مسلمانوں میں ایسی ایثار کی رُوح پیدا ہو گئی۔ جس کی نظیر دُنیا کی کسی قوم میں مِلنی محال ہے۔

حضرت ابوطلحہؓ کا ایثار

ایک دفعہ ایک مفلس آدمی رسُول اللہ

نوٹ:۔ آجکل کے مُسلمانوں کی بڑی خرابی ہی یہ ہے کہ وہ کام سے گریز کرتے ہیں

صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہؤا اور کہا کہ "بھوکا ہوں کھانے کو کچھ دلا بیٹے" آپ نے گھر سے دریافت کیا تو وہاں سوائے پانی کے کچھ نہ تھا۔ حضرت ابو طلحہ رض اُس شخص کو اپنے گھر لے گئے۔ مگر گھر پہنچنے پر ان کو معلوم ہؤا کہ وہاں بھی فالتو کچھ نہیں۔ صرف بچّوں کا کھانا ہے۔ اُنھوں نے چراغ گُل کروا دیا اور بیوی کو کہا کہ بچّوں کا کھانا مہمان کے آگے لا کر رکھ دو۔ مہمان۔ ابو طلحہ رض اور ان کی بیوی کھانے پر بیٹھے مگر مہمان تو کھاتا رہا اور میاں بیوی اس طرح ہاتھ ہلاتے رہے کہ گویا کھا رہے ہیں ؁

مدینہ کے یہودیوں سے معاہدہ

مدینہ میں یہودیوں کے کئی قبیلے آباد تھے۔ جن کا ایک طاقتور جتھا تھا۔ اُن کے بڑے بڑے قبیلے بنی قینقاع بنی نضیر اور بنی قریظہ تھے۔ انصار کے دو قبیلے اوس اور خزرج تھے۔ انکی باہم جنگ رہتی تھی۔ اِس لیے رسول صلی اللہ علیہ و

سلم نے ضروری سمجھا کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان ایک معاہدہ ہو جائے۔ اس معاہدہ کی بڑی بڑی شرطیں یہ تھیں ؛

(۱) یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی ؛

(۲) جس فریق کو کسی دشمن سے جنگ پیش آئے دوسرا فریق اس کی مدد کریگا ؛

(۳) مدینہ پر کوئی باہر سے حملہ کرے تو دونو فریق ملکر مقابلہ کریں گے ؛

اِسلامی جہاد

یورپ کی عملی اور علمی شہادت کہ اِسلامی جنگ مدافعت کے لئے ہے۔

چونکہ مدینہ پہنچنے کے تھوڑے دنوں بعد سِلسلہ غزوات شروع ہو گیا اِس لئے ضروری ہے کہ دیکھا جائے کہ اِن جنگوں کی وجہ کیا تھی دشمن اِعتراض کرتے ہیں کہ یہ جنگیں اِسلام کو بزور پھیلانے کی غرض سے کی گئیں۔ اور

اِسلام کی یہ تعلیم ہے کہ مذہب بزورِ شمشیر پھیلایا جائے۔ اہلِ اِسلام نے اِس مسئلہ کو بہت صاف کر دیا ہے۔ اور یورپ میں ہزاروں آدمی مُسلمان بن رہے ہیں اور اس طرح اس اعتراض کی اپنے عمل سے تردید کر رہے ہیں۔ اس زمانے میں جب کہ عموماً بڑھے لکھے لوگ تعصّب سے پاک ہوتے جاتے ہیں ہزاروں عالم یورپ میں ایسے بھی پیدا ہوتے جاتے ہیں جو اپنی صحیح تحقیقات کی بنا پر خود ثابت کر رہے ہیں کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جنگیں صرف مدافعت کی جنگیں تھیں اور کہ اِسلام نہ تلوار کے زور سے پھیلا اور نہ یہ اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ مذہب تلوار کے زور سے پھیلایا جائے۔

اِسلام نے سوائے مذہب کی حفاظت کے تمام لڑائیاں حرام کی ہیں۔

ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ اِسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے جنگ کو قطعًا حرام کیا سوائے مذہبی

جنگ کے۔ اور مذہبی جنگ کی بھی اُس وقت اجازت دی ہے جب دشمن مذہبی آزادی سے محروم کردیں اور مذہب کی بنا پر حد سے زیادہ ایذا دیں۔ دُنیا میں اکثر جنگیں ملک گیری کے لئے ہوتی ہیں۔ یا جنگ کی بڑی وجہ قومی عداوت ہوتی ہے۔ اِسلام نے ایسی جنگوں کو حرام قرار دیا ہے۔ یہ اِسلام کا دُنیا پر بہُت بڑا اِحسان ہے اور یہ اس کے خدائی مذہب ہونے کی بہُت بڑی دلیل ہے۔ مفصّلہ ذیل دلائل سے ثابت ہوگا کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جنگیں دفاعی تھیں ؛

قریش کی ایذادہی نے آپ کے دِل میں جذبہ انتقام پیدا نہیں کیا۔ آپ ان دشمنوں پر بد دُعا تک نہیں کرتے

۱۔ قریش نے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو جو جو دُکھ دیئے اور جتنے سالوں تک دُکھ دیتے رہے اُس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخ قاصر ہے

راستہ میں کانٹے بچھائے پتھر مارے۔ اِستہزا
کیا۔ گالیاں دیں۔ گلے میں چادریں ڈال ڈال
کر گلا گھونٹا۔ نماز پڑھنے کے وقت نجاست
بھری اُونٹ کی اوجھری اوپر ڈال دی۔ راستہ
گزرتے ہُوئے اوپر مٹّی پھینکی آوارہ لڑکوں کو
پیچھے لگا دیا کہ پتھر ماریں اور ہنسی ٹھٹھا کریں
غرض دُکھ دینے کا وہ ہر طریق اِختیار کیا جو
خبیث دشمن کسی بے کس آدمی کو ستانے
کے لِئے اختیار کر سکتا ہے۔ آپ کے دوستوں
کو قتل کیا۔ جلتی ریت پر لٹایا۔ بدن پر گرم
پتھر رکھے۔ پھر آپ کے خاندان کو ایک جگہ
محصُور کر کے کھانے دانے سے محرُوم کرنے
کی کوشش کی اور یہ ایذا دہی کا سِلسلہ
تیرہ برس تک برابر جاری رہا۔ بالآخر دشمنوں
نے آپ کو قتل کرنے کی سازش کی۔
اور اس طرح آپ کو اپنا عزیز وطن چھوڑنے
پر مجبُور کیا۔ مگر کیا اس ساری ایذا دہی نے
آپ کے دِل میں ان ظالم دُشمنوں کے
خلاف کوئی جذبات عداوت پیدا کِئے؟ تارِیخ

شاہد ہے کہ ہرگز نہیں ۔ آپ کو کہا جاتا ہے کہ ان شقی دشمنوں کے لیئے بد دُعا کریں ۔ مگر یہ سُن کر آپ کا چہرہ سُرخ ہو جاتا ہے اور فرماتے ہیں کہ

”میں رحمت بن کر آیا ہوں
لعنت بن کر نہیں آیا“

پھر فرماتے ہیں کہ ”شاید ان لوگوں کی پُشت سے ایسے لوگ پیدا ہوں جو لآ اِلٰہَ اِلاَّ اللہُ کہیں“ پھر جب آپ جنگوں میں غالب آتے ہیں تو کیا گرفتار دُشمنوں سے انتقام لیتے ہیں ؟ ہرگز نہیں ۔ معمولی فِدیہ لے کر چھوڑ دیتے ہیں اور سچ پوچھو تو ان کو چھوڑ دینے کے لئے بہانہ ڈھونڈتے ہیں ۔ جب مکہ فتح ہوتا ہے ۔ تو کیا نظارہ نظر آتا ہے ؟ اُن ظالم دشمنوں کو کامل معافی عطا کی جاتی ہے اور کبھی کِسی گرفتار شدہ دُشمن کو مُسلمان ہونے پر مجبُور نہیں کیا جاتا ۔ اِن باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی جنگیں اِنتقامی نہ تھیں اور نہ

ان کی غرض اشاعت مذہب تھی ۔

رسُول اللہؐ کی کمزور حالت۔ جنگ کی ابتدا کیسے کرسکتے تھے۔

۲- قریش کی ایذا رسانی سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ لوگ اِسلام اور بانئِ اِسلام کو فنا کرنے پر تلے ہُوئے تھے۔جب محض خدا کی امداد سے آپ اُن کے پنجے سے نِکل گئے تو قیاس کیا چاہتا ہے کہ جنگ میں پہل کِس نے کی ہوگی؟ دُشمنوں کے دلوں میں عداوت کی آگ ہے۔اُن کے پاس لڑنے والوں کی کثرت ہے۔سامان جنگ کی افراط ہے۔دُوسری طرف کُل دو ڈہائی سو آدمی ہیں۔سامانِ جنگ کوئی نہیں۔پھر بھلا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے ان حالات میں جنگ شروع کی ہوگی یا آپ کے دشمنوں نے؟ پھر مدینہ کی اندرونی حالت قابل اطمینان نہیں۔یہودی دُشمن ہیں اور منافقین کا گروہ دشمن ہے۔ بھلا آپ جنگ کی ابتدا کرتے تو کِس برتے پر؟

پہلی جنگ مدینہ کے قریب ہوئی

۳-پہلی جنگ جس سے غزوات کا سلسلہ شروع ہوا یعنی جنگ بدر مدینہ کے قریب جو آنحضرت کا مستقر تھا اور مکہ سے بہت فاصلہ پر ہوئی۔ چنانچہ جب قریش کے کوچ کی خبر سن کر آپ مقام بدر پر پہنچے تو قریش پہلے وہاں موجود تھے۔ اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حملہ آور ہوتے تو جنگ لا محالہ مکّہ کے قریب ہوتی ۞

قرآن کا حکم کہ اُن سے لڑو جو لڑنے میں پہل کریں۔

۴-اس موقعہ پر قرآن مجید کی وہ آیت اُتری۔ جس میں مسلمانوں کو صرف اُن لوگوں سے لڑنے کی اجازت ہے جو اُن سے لڑنے میں پہل کریں اور صاف حکم ہے کہ زیادتی نہ کریں۞

انصار اور یہودیوں کے معاہدات کی شرط کہ دفاعی جنگ میں آپکے شریک ہونگے

۵-آپ نے مدینہ میں تشریف لانے پر مشرکین اور یہود سے جو

معاہدے کئے ان کا مفاد بھی یہی تھا کہ وہ لوگ آپ کی امداد اس وقت کریں گے جب دشمن آپ پر چڑھ کر آئے۔ انصار سے بھی یہی اقرار لیا تھا کہ وہ اس وقت آپ کی امداد کریں گے جب مدینہ پر دشمن چڑھکر آئے انصار کا ساتھ نکلنا بھی اسی بات کی دلیل ہے۔ کہ آپ نے جنگ میں پہل نہیں کی۔

کار لائل کی دلیل

۶۔ کار لائل نے کیا اچھا کہا ہے کہ آپ نے تلوار ضرور اُٹھائی۔ مگر سوال یہ ہے کہ جن لوگوں نے آپ کی حمایت میں تلوار اُٹھائی تھی یہ کس تلوار سے مغلوب ہوئے تھے۔ اگر یہ لوگ کسی اور تلوار سے مفتوح ہو سکتے تھے تو دوسرے لوگوں کے لئے بھی وہی تلوار کیوں کافی نہ تھی۔

اسلام مذہبی آزادی دیتا ہے۔

۷۔ اسلام کی ہدایت ہے لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔ دین میں جبر نہیں ہونا چاہئے

مُسلمان کا کام صِرف یہ ہے کہ ہدایت اور گمراہی واضح کر دے۔ پھر فرمایا ہے مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغ۔ رسُول کا کام صِرف تبلیغ ہے۔ اِلّا کے لفظ نے باقی سب طریقوں کی نفی کر دی۔ کوئی بتا دے کہ اس سے بہتر اور صاف مذہبی روا داری کی تعلیم کسی دُوسرے مصلح یا معلّم نے دی ہے؟ ہرگز نہیں۔ بے شمار دلائل ہیں مگر سوچنے والے کے لِئے یہی کافی ہیں *

اِسلامی تارِیخ کی شہادت کہ اِسلام میں مذہبی جبر نہیں۔

۸- اگر قرآن میں جبر سے اشاعت اِسلام کا حکم ہوتا تو سب مُسلمان بادشاہ اسکو اپنا فرض سمجھ کر بزور شمشیر لوگوں سے اِسلام کو منواتے مگر اِسلامی تارِیخ کا مطالعہ کیا بتاتا ہے؟ یہی کہ تیرہ سو برس کی فتوحات کے سِلسلہ میں کہیں بھی یہ طریق عمل اِختیار نہیں کیا گیا۔ بلکہ یہودیوں۔ عیسائیوں اور ہندوؤں کو جس طرح کی مذہبی آزادی اور جو حقوق مُسلمان فاتحوں نے دیئے کبھی کسی دُوسرے مذہب

کے فاتحوں نے نہیں دیئے ۔

غزوات نبوی

غزوہ بدر

جنگ کا خطرہ جب قریش نے دیکھا کہ آپ ان کے پنجے سے نکل گئے تو انہوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو قریش کی فطرت کا علم تھا۔ اس لیئے آپ کو حملہ کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ مدتوں اکثر آپ راتوں کو جاگتے رہتے اور پہرہ دار مقرر کرتے کہ کہیں دشمن بے خبر حملہ نہ کر دے۔ صحابہ صبح تک ہتھیار باندھ کر سوتے ۔

غزوہ بدر کے اسباب ۱۔ قریش کو اپنی طاقت پر ناز تھا اور آپ کی جماعت کو حقیر سمجھتے تھے اس لیئے انہوں نے اپنے ارادوں کو چھپانا بھی ضروری نہ سمجھا۔

چنانچہ ابو جہل نے عبد اللہ بن ابی طالب کو جو مدینہ میں ایک بڑا آدمی تھا اور مدینہ کے لوگ جس کو بادشاہ بنانا چاہتے تھے لکھا کہ "تم لوگ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کو نکال دو ورنہ ہم تمہارا صفایا کردیں گے"

(۲) قریش کی پارٹیاں نکلتی تھیں اور مدینہ کے قریب تک آ کر لوٹ مار کر جاتی تھیں۔

(۳) قریش کی طاقت مسلمانوں کے مقابل میں بہت بڑی تھی۔ اُنھوں نے ایک ہزار کا لشکر جرّار مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے تیار کیا تھا۔ یہ سب سپاہی پُورے طور مسلح تھے جن میں سے قریبًا ایک سو سوار تھے۔ ان میں بڑے بڑے جنگ آزمودہ تجربہ کار بہادر تھے۔ ہر سپاہی زرہ پوش تھا۔ اُن کے پاس سات سو اُونٹ تھے ؛

(۴) سب سے بڑھ کر یہ بات تھی کہ قریشیوں کے سینوں میں مذہبی جنون کا جوش تھا جو انسانوں سے بڑی بڑی قربانیاں کراتا ہے ؛

ان کے مقابلہ	مسلمانوں کی طاقت

میں مُسلمان صِرف تین سو تیرہ تھے۔ اِن میں کم سِن بچّے بھی شامل تھے۔ دو گھوڑے اور ستر اُونٹ تھے اور سامانِ جنگ نہ ہونے کے برابر۔ مگر اس بے سروسامانی کے باوجود اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت شامل حال تھی اور اسی پر مُسلمانوں کو بھروسہ تھا۔

جنگ بدر کا حال اور ابوجہل کا قتل

رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس بظاہر کمزور جمعیّت کے ساتھ قریش کی مدافعت کرنے کے لئے بڑھے۔ جب مقام بدر پر پُہنچے تو قریش وہاں پہلے ہی موجُود تھے۔ جنگ کی ابتدا یوں ہوئی کہ عرب کے دستُور کے مطابق قریش کا سپہ سالار عتبہ معہ اپنے بھائی اور بیٹے کے میدان میں نِکلا اور للکارا کہ ہمارے مُقابلہ کے لِئے بہادر آئیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ حضرت علی اور عبیدہ کو ان کے مقابلہ کے لِئے بھیجا۔ حضرت حمزہ نے عتبہ کو قتل کر دیا اور حضرت علی نے اس کے بیٹے ولید کو۔ عبیدہ عتبہ کے بھائی شیبہ کے ہاتھوں

زخمی ہوئے مگر حضرت علی نے بڑھ کر شیبہ کو بھی قتل کر دیا۔ اس کے بعد لڑائی عام ہو گئی۔ ابوجہل کی عداوتِ اسلام کا سب کو علم تھا اِس لئے اکثر مسلمان تمنّا رکھتے تھے کہ اِس دشمنِ اسلام کو قتل کرنے کی عزت حاصل کریں تاکہ شاید یہ بے امنی ختم ہوجائے دو نوجوانوں معوذ اور معاذ کو پتہ لگ گیا کہ ابو جہل کہاں ہے۔ فوراً حملہ کیا اور آن کی آن میں اس کو مار گرایا ؂

قریش کی شکست

عتبہ پہلے مارا گیا تھا۔ ابو جہل یوں ہلاک ہُوا تو قریش نے حوصلہ ہار دیا اور شکست کھا کر بھاگے۔ اُن کے ستر آدمی قتل ہُوئے اور اِتنے ہی گرفتار۔ مسلمانوں کے چودہ آدمی شہید ہُوئے ؂

فتح بدر کے نتائج

اس فتح سے بڑے بڑے مفید نتائج نِکلے۔

(۱) اِسلام کے سب سے بڑے دشمن ہلاک ہو گئے اور قریش کا غرور و تکبّر ٹوٹ کر اُن

کی ہیبت خاک میں مل گئی ؛

(۲) باقی عرب کے قبائل پر مسلمانوں کا رُعب پڑ گیا ؛

(۳) مگر اس کے ساتھ ہی یہودیوں کی حسد کی آگ بھڑک اُٹھی ؛

(۴) اور چونکہ بہت سے قریش مارے گئے تھے۔ ان کے اقربا میں مسلمانوں سے انتقام لینے کا جوش بہت بڑھ گیا تھا ؛

مسلمانوں کا اسیران جنگ سے سلوک

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدی صحابہ میں تقسیم کر دیئے اور صحابہ کو ان کے آرام و آسایش کی بہت تاکید کی۔ اِسلام کے اثر اور اس تبدیلی پر غور کرو جو اس سچّے مذہب نے مسلمانوں کے دلوں میں پیدا کردی تھی کہ صحابہ آپ کھجوروں پر گزارہ کرتے اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے۔ قیدیوں کے پاس کپڑے نہ تھے آپ نے سب کو کپڑے دلوائے۔ دُنیا کی جنگی تاریخ میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ جنگی قیدیوں سے

یہ سلوک ہوا۔ رُوما اور یُونان میں جو پرانی دُنیا کی مہذب ترین اقوام تھیں قیدیوں کو پا بہ زنجیر فاتح کے ہمرکاب اس کی فاتحانہ کوچ کی زینت کو بڑھانے کے لئے لیجایا جاتا تھا۔ اور بعد میں اُن کو یا تو فروخت کر دیا جاتا یا شیروں اور دُوسرے درِندوں سے لڑنے کے لئے رکھ لیا جاتا؛

اس نہایت مہذب زمانے میں بھی قیدیوں سے اس قسم کا سلوک نہیں کیا جاتا جیسا مسلمانوں نے اپنے موذی دشمنوں سے کیا؛

رسُول اللہؐ کی رحمدلی اور خدا ترسی

انہی قیدیوں میں ایک شخص سُہیل نامی تھا جو بڑا فصیح اللسان تھا اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تقریریں کرتا تھا۔ حضرت عمر نے کہا "یا رسُول اللہ! اِس کے نچلے دانت نِکلوا دیئے جاویں۔ تا کہ پھر اچھی تقریر نہ کر سکے"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں اگر اس کے اعضا بگاڑوں گا تو خدا میرے اعضا بگاڑیگا"۔ حضرت عمر دُنیا کے نہایت ہی عظیم الشان آدمیوں میں

شمار ہوتے ہیں۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کا مقابلہ کرو۔ کس قدر فرق ہے!

رسُول اللہؐ کی رحمدلی کی اور مثال

آپ نے سب صحابہ کو جمع کر کے رائے طلب کی کہ قیدیوں کے متعلق کیا فیصلہ کیا جائے۔ حضرت ابو بکرؓ کی رائے تھی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیئے جائیں مگر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "یہ لوگ مُفسد ہیں ہم پر چڑھ کر آئے ہیں۔ اگر ان کو چھوڑ دیا گیا تو پھر فساد کریں گے۔ سب کو قتل کر دینا چاہیئے۔ اور ہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے رشتہ دار کو قتل کرے۔" مگر رحیم کریم رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کی رائے کو پسند فرمایا۔ اور فدیہ لے کر سب کو چھوڑ دیا۔ بعض فدیہ نہیں دے سکتے تھے۔ ان کو معاف کر دیا گیا۔ ان میں سے جو لکھنا جانتے تھے ان سے یہ فدیہ لیا گیا کہ وہ دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دیں تو چھوڑ دیئے جائیں گے۔

لطیفہ۔ رسُول اللہؐ کا دعا پر یقین

جب

فوجوں کی ترتیب ہو چکی تو رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں جا کر سر بسجود رو رہے تھے۔ اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتے تھے کہ "اگر یہ چھوٹی سی جماعت ہلاک ہو گئی تو پھر زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہیگا۔ میری نصرت کر" یہ عرض منظور ہو گئی۔ اور آپ خوش خوش جھونپڑی کے اندر سے نکلے اور قرآن مجید کی یہ آیت بلند آواز میں پڑھی "کافروں کی فوجیں شکست کھا کر بھاگ جائیں گی" اِس پیشینگوئی کے پورا ہونے اور قرآن میں جو اسی جنگ کے متعلق ایک اور پیشینگوئی ہے اس کے پورے ہونے نے مُسلمانوں کے ایمان کو اور بھی مضبوط کر دیا اور بہت سے کفار بھی اس سے متاثر ہُوئے ؛

لطیفہ۔ مسلمان اِسلام کی خاطر اپنے کافر رشتہ داروں سے لڑتے ہیں

اس جنگ میں بعض مُسلمانوں کے نہایت قریبی رشتہ دار کفار کی طرف سے لڑ رہے تھے۔ مگر مُسلمانوں کا ایثار اور حق کی

محبت دیکھو کہ حق اور اللہ و رسُول کی محبت کے مقابلہ میں رشتہ کی بھی کچھ پرواہ نہیں کرتے تھے۔ حضرت ابو بکر کے صاحبزادے ابھی کافر تھے اور کافروں کی طرف سے لڑنے کے لئے آئے تھے۔ وہ مَیدان میں آئے تو حضرت ابوبکر تلوار لے کر ان کے مقابلے کو نکلے۔ عتبہ سپاہ سالار قریش جب میدان میں نکلا تو اس کے بیٹے جو مُسلمان ہو چکے تھے اُس سے لڑنے کو نکل کھڑے ہُوئے ؂

آنحضرتؐ نے دشمنوں کو بھی پانی سے نہیں روکا۔

بدر میں پانی کے جس قدر مقامات تھے۔ مسلمانوں نے ان سب پر قبضہ کر لیا تھا۔ کفار پر پانی بند کر کے اُن کو شکست دینا بہت آسان تھا۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کو پانی لینے کی عام اجازت دے دی ؂

حضرت فاطمہؓ کی حضرت علیؓ سے شادی

غزوہ بدر ۲ھ ہجری میں ہُوا۔ اس سال کا

ایک اور واقعہ حضرت فاطمۃ الزہرا کی شادی ہے۔ حضرت فاطمہ کی عمر اس وقت ۱۸ سال کی ہو چکی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے شادی کی درخواست کی مگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کی درخواست کو منظور فرمایا۔ اور حضرت فاطمہ کی شادی ان سے کر دی ؛

حضرت فاطمہ کا جہیز حضرت فاطمہ کے جہیز میں آپ نے ایک بان کی چارپائی ایک چمڑے کا گدا جس میں کھجور کے پتے بھرے تھے ایک چھاگل ایک مشک دو چکیاں اور دو مٹی کے گھڑے دیئے ؛

غزوہ اُحد ۳ھ

جنگ اُحد کے اسباب اور قریش کی تیاری قریش میں انتقام کا جوش تو تھا ہی ان کے شاعروں نے دورے کر کے عرب کے قبائل میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کی آگ

لگا دی۔ سپاہیوں کی غیرت کو جوش میں لانے کے لئے بڑے بڑے معزز گھرانوں کی بیبیاں بھی فوج میں شامل ہو گئیں۔ جو فوج تیار کی گئی اس کی تعداد تین ہزار تھی۔ ان میں بہت سے پرانے تجربہ کار لڑاکے تھے۔ دو سو مسلح سوار تھے۔ سات سو زرہ پوش تھے۔ اس سب فوج نے جمعرات کے روز جنگ بدر کے پورے بارہ مہینے بعد مقامِ اُحد پر جو مدینہ سے تین میل شمال کو ہے ڈیرے ڈال دیئے؛

مسلمانوں میں جنگ کے متعلق مشورہ

جب قریش نے حملہ کی خبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے صحابہ کو اکٹھا کر کے مشورہ کیا کہ شہر کے اندر لڑنا چاہیئے یا باہر نکل کر۔ عمر رسیدہ لوگوں کی رائے تھی کہ اپنی کمزوری کو مد نظر رکھتے ہوئے شہر کے اندر لڑنا بہتر ہے۔ مگر جوانوں نے رائے دی کہ ہماری غیرت کا یہی تقاضا ہے کہ باہر میدان میں نکل کر لڑیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رائے بھی

اندر رہ کر لڑنے کے حق میں تھی۔ مگر کثرت رائے سے یہی قرار پایا کہ باہر نکل کر لڑیں ؂

مسلمانوں کی فوج آپ کی فوج ایک ہزار آدمی پر مشتمل تھی۔ مگر اس میں بعض بالکل ضعیف تھے۔ اور بعض ایسے نو عمر تھے جو بالکل لڑنے کے قابل نہیں تھے۔ آپ اسی فوج کو ساتھ لے کر جمعہ کے روز شہر سے باہر نکلے۔ مگر منافقین کا سر گروہ عبد اللہ بن ابی اپنے تین سو جوانوں کو لے کر واپس آ گیا۔ اِس طرح آپ کے ساتھ صرف سات سو آدمی رہ گئے۔ گویا چار کے مقابل میں ایک ؂

جنگ کی ترتیب آپ نے کوہ اُحد کو پس پُشت رکھ کر اپنی فوج کو ترتیب دیا۔ اس پہاڑ میں ایک درّہ تھا اور اندیشہ تھا کہ دشمن اس درّہ میں سے پیچھے کی طرف سے آ کر حملہ نہ کر دے۔ اِس لئے آپ نے وہاں پچاس تیر انداز مقرر کر دیئے اور حکم دیا کہ "لڑائی کا نتیجہ خواہ کچھ ہو تم لوگ یہاں سے

نہ ہلو۔ قریش نے بھی نہایت احتیاط سے اپنی فوج کو ترتیب دیا ۔

جنگ کا بیان اور حضرت حمزہ کی شہادت

جنگ شروع ہونے سے پہلے قریش کا علم بردار طلحہ علی مرتضےٰ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اس کے بعد جنگ عام ہو گئی۔ مسلمانوں میں سے حضرت حمزہ رضؓ حضرت علی رضؓ اور ابو دجانہ نے خوب داد شجاعت دی۔ مگر وحشی ایک حبشی غلام جس سے اس کے آقا نے حضرت حمزہ کے قتل کرنے کے صلہ میں آزاد کرنے کا وعدہ کیا تھا ان کی تاک میں بیٹھا تھا۔ جب آپ قریب آئے تو اس نے اپنا حربہ آپ پر پھینکا اور آپ وہیں شہید ہو گئے۔ مگر مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا۔ حضرت علی اور ابو دجانہ کے حملوں سے قریش کے پاؤں اُکھڑ گئے اور اُنھوں نے بھاگنا شروع کیا ۔

مسلمان تیر اندازوں کی غلطی

چاہیئے تھا کہ مسلمان

بھاگنے دشمن کا تعاقب کرتے یہاں تک کہ ان میں پھر لوٹ کر آنے کی قابلیت ہی نہ رہتی مگر وہ لوٹ میں مشغول ہو گئے۔ یہ دیکھ کر وہ تیر انداز جو درّہ کی حفاظت پر مامور تھے اپنی جگہ سے ہٹ آئے اور لوٹ میں شامل ہو گئے ؂

قریش نے جب درّہ خالی دیکھا فورًا پیچھے کی طرف سے حملہ کر دیا۔ اب مسلمان دونو طرف سے نرغہ میں تھے۔ خالد اس وقت کفّار کی طرف سے لڑ رہے تھے انھوں نے پیچھے کی طرف سے حملہ کر دیا اور ان کے بڑے جرنیلوں میں شمار ہوتے تھے۔ مسلمانوں میں سخت بد حواسی پھیلی۔

جنگ اُحد کا انجام اور مُسلمانوں کی جان نثاری قریش کی بربریت

رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم نے جب اپنی فوج کو نازک حالت میں دیکھا تو اُن کو بلند آواز سے اپنی طرف پکارا اور اکثر مسلمان آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ دشمن کو اِس طرح پتہ لگ گیا کہ آپ کہاں ہیں۔

بس پھر کیا تھا اُسی طرف ٹوٹ پڑے۔ اتفاقاً یہ غل اُٹھ کہ آپ شہید ہو گئے۔ اِس افواہ نے مسلمانوں کو سراسیمہ کر دیا۔ آپ کو کئی زخم لگے اور آپ گر گئے۔ مگر اِس اثنا میں بہت سے جان نثار آپ کے گِرد جمع ہو گئے اور کفّار کے حملوں کی اپنے سِینوں پر مدافعت کرتے رہے۔ آخر مسلمان ایک بلند مقام پر چڑھ گئے اور وہاں سے اُنہوں نے دشمنوں پر تیر اندازی کی اور پتھر پھینکے۔ اِس لئے اُن کو آگے بڑھنے کی جُرأت نہ ہوئی اور وہ پیچھے ہٹ گئے اور مقتول مسلمانوں کے ناک کان کاٹ کر مکّہ کا رُخ کیا۔ ابو سفیان کی بیوی ہندہ نے حضرت حمزہ کا جگر نکال کر چبا لیا ⁂

عِبرت۔ مسلمان خواتین بھی جنگ میں شامل تھیں۔ عورتیں اور زخمیوں کی خدمت۔

اِس جنگ میں مسلمان خواتین بھی شامل تھیں۔ جو زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی اور اُن کو پانی پلاتی تھیں خود حضرت عائشہ پائنچے چڑھائے ہوئے

مشک بھر بھر کر لاتی تھیں اور جب مشک خالی ہو جاتی تھی تو پھر جا کر بھر لاتی تھیں آج کل کی مسلمان عورتوں سے ان کا مقابلہ کرنا چاہیئے ؎

مسلمان عورتوں کا صبر

حضرت حمزہ کی ہمشیرہ مدینہ سے میدان جنگ میں آئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے اُن کے صاحبزادے زبیر کو بُلا کر کہا کہ حضرت حمزہ کی لاش ان کو نہ دکھائی جاوے۔ زبیر نے اُن کو رسُول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم کا ارشاد سنایا۔ وہ بولیں "میں سب کچھ سُن چکی ہوں۔ مگر خدا کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں" بھائی کی لاش کے ٹکڑے دیکھے تو صرف اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن کہہ کر خاموش ہو گئیں اور مغفرت کی دُعا مانگی ؎

ایک انصاری خاتون کی محبت رسُول

ایک انصار

خاتون کے باپ بھائی اور خاوند اس جنگ میں شہید ہوئے۔جب اس نے اپنے باپ کی شہادت کی خبر سُنی تو صِرف "انا لِلّٰہ الخ" پڑھا اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت پوچھی۔ لوگوں نے کہا "تیرا بھائی بھی مارا گیا" اُس نے اُسی طرح اِنا للّٰہ الخ پڑھا اور پہلا سوال دُہرایا۔ پھر کسی نے کہا "تیرا خاوند بھی شہید ہوا" اُس نے پھر وہی کلمات دُہرائے اور پھر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر پوچھی۔ آخر جب رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک دیکھا تو پُکاری "آپ اگر زندہ ہیں تو کسی مصیبت کی پرواہ نہیں"۔

رسُول اللہ کا رحمی تعلق کا پاس۔

ایک شخص ابو عامر کفار کی طرف سے لڑ رہا تھا۔ اس کا صاحبزادہ مسلمان ہو چکا تھا۔ اس نے باپ کے مقابلہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی۔ لیکن آپ کی رحم دلی نے گوارا نہ کیا کہ بیٹا باپ پر تلوار اُٹھائے۔

جنگ اُحد سے جنگ احزاب تک

قبائل عرب کی عداوت کا سبب

تمام قبائل عرب اپنے مذہب کی تباہی پر اسلام کے دشمن تھے۔ ان لوگوں کا ذریعہ معاش زیادہ تر لوٹ مار تھی۔ اسلام امن کا مذہب ہے اس لئے یہ لوگ خیال کرتے تھے کہ اگر اسلام کامیاب ہو گیا تو اُن کے ذرائعہ معاش بند ہو جائیں گی۔ اُحد میں جو مُسلمانوں کو کسی قدر تکلیف ہوئی تھی اُس نے اُن لوگوں کو دلیر کر دیا تھا۔ ان وجوہات کے سبب سب قبیلے دفعتہً اُٹھ کھڑے ہوئے۔

خونریزی روکنے کی تدبیر۔

مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قبیلے کی تیاری کا علم ہوتا تو آپ فوراً تھوڑی سی فوج بھیجکر ان کو منتشر کر دیتے۔ اِس طرح نہ قبیلوں کو اکٹھا ہونے کا موقعہ ملتا اور نہ خطرناک جنگ تک نوبت پہنچتی۔ رحیم کریم رسُول کی طرف سے یہ خون ریزی روکنے کی ایک تدبیر

تھی +

نجدی قبائل کے ہاتھ سے مُبلغین کا قتل

سنہ۴ھ میں ایک شخص ابو برا جو ایک نجدی قبیلہ کا سردار تھا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے گذارش کی کہ میرے ساتھ آپ کچھ صحابی روانہ فرماویں جو میرے قبیلے کو اِسلام کی تعلیم دیں۔ آپ کے پاس اِس قسم کی ایک جماعت موجود تھی جو اسی غرض سے تیار کی گئی تھی کہ جہاں ضرورت ہو اسلام کی تبلیغ کا کام کریں۔ ان میں سے آپ نے ستر آدمی منتخب کئے اور ابو برار کے ساتھ روانہ کر دئے۔ جب یہ لوگ بیر معونہ پر پہنچے تو ابو برار نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا خط دے کر جن لوگوں نے ان کو بلایا تھا ان کے سرداروں کے پاس بھیجا۔ مگر ادھر سے خط کے جواب میں ایک جرّار فوج تیار ہو کر آئی اور ان مقدس لوگوں کو جو تبلیغ اسلام کے پرامن

مقصد کے لیے بھیجے گئے تھے قتل کر ڈالا۔ جب
آپ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپکو بڑا صدمہ ہوا۔

اور مبلغین کا قتل

اسی طرح دو اور قبیلوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قاصد بھیجے کہ ہمارے قبیلوں کو دین کی تعلیم دینے کے لئے چند آدمی بھیجیں۔ آپ نے دس قاری بھیجے مگر ان لوگوں کے ساتھ بھی ویسا ہی معاملہ ہوا۔ مقام رجیع پر آٹھ تو لڑتے لڑتے شہید ہو گئے اور دو کو دشمنوں نے قید کر کے اہل مکہ کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ وہ دونو بھی قتل کر دیئے گئے۔

غزوہ بنی مصطلق اور حارث کی بیٹی جویریہ سے آپ کا نکاح

اس وقت میں بہت چھوٹے چھوٹے غزوات ہوئے۔ ان میں غزوہ بنی مصطلق زیادہ مشہور ہے۔ بنی مصطلق کے سردار حارث نے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کی۔ حضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کو خبر پہنچی تو آپ نے بھی مسلمانوں کو تیاری کا حکم دے دیا اور فوج روانہ کر دی۔ جب حارث کو اسلامی فوج کے پہنچنے کی خبر ملی تو وہ بھاگ گیا۔ اس کی بیٹی جویریہ معہ دوسرے قیدیوں کے آپ کے سامنے آئی تو آپ نے اُس کا زرِ فدیہ ادا کر کے اس کو آزاد کیا اور اُس سے اُس کی رضی کے مطابق نکاح کر لیا ؞

کفار پر بد دعا کرنے کا ارادہ اور اللہ کی طرف سے عتاب

جو لوگ اس طرح دھوکا دیکر غریب مسلمانوں کو قتل کر دیتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ان کے لئے بد دُعا کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ آیت نازل ہوئی جس کے معنے ہیں۔ "تمہارا اس بات میں کوئی اختیار نہیں اللہ چاہے تو ان پر رحمت کرے اور چاہے تو ان کو عذاب دے۔ بے شک وہ ظالم ہیں" ؞

لطیفہ

حُب رسولؐ کی ایک حیرت انگیز مثال۔

مقام رجیع میں جو دو قاری کفار نے قید کرکے مکے والوں کے پاس فروخت کر دئے تھے ان میں سے ایک کا نام زید تھا۔ اُن کو صفوان بن امیۃ نے قتل کرنے کے ارادہ سے خریدا تھا۔ جب ان کے قتل کا وقت آیا تو قریش کے سب معزز سردار تماشہ دیکھنے کے لئے آئے جب تلوار نیام سے نکل چکی تو ابو سفیان نے زید کو مخاطب کرکے کہا کہ "کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ تم چھوڑ دِئے جاؤ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تمہاری جگہ قتل ہو جاویں" اُس نے کہا "خدا کی قسم میری نگاہ میں تو میری جان کی اِتنی قیمت بھی نہیں کہ میں بچ جاؤں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھے"۔

غزوہ احزاب ۵ھ

یہود کیوں اسلام کے دشمن ہوگئے

مدینہ میں یہود کو بڑی طاقت حاصل تھی۔ یہ عالم اور مہذب بھی تھے۔ یہ ہندو بنیوں کی طرح لین دین کا کام کرتے تھے۔ ان کے علم و دولت کے سبب عربوں کی نگاہ میں ان کی بڑی عزت تھی اور عرب ان کا مذہب بھی رفتہ رفتہ قبول کر رہے تھے۔ اسلام کی اشاعت نے ان کے مذہب کی اشاعت کو روک دیا۔ انصار مرفہ الحال ہوتے گئے تو ان کے قرض کے شکنجہ سے نکلنے لگے۔ آپ ان کی بد اخلاقیوں کے خلاف جو کثرتِ دولت نے اُن میں پیدا کر دی تھیں وعظ بھی کیا کرتے تھے۔ ان سب وجوہات کے سبب یہ لوگ اسلام اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بڑے دشمن ہو گئے اور آپ کو ہر طرح کی ایذا دینی شروع کر دی۔ مگر آپ یہودیوں

کی ہر طرح رعایت کرنے اور اُن سے کسی طرح کا بگاڑ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ لیکن یہود چونکہ ایک بد باطن قوم تھی اس لئے اُنہوں نے اسلام کی تخریب کے لیے ہر ممکن ذریعہ استعمال کیا۔ منجملہ دُوسری شرارتوں کے وہ انصار کے دونوں بڑے قبیلوں اوس اور خزرج میں فساد ڈالنے کی کوشش کرتے ⁂

منافقین مدینہ میں ایک گروہ منافقین کا تھا جو ظاہر میں مُسلمان تھا مگر در پردہ کافر۔ یہ لوگ جب موقعہ ملتا مسلمانوں کو نقصان پہنچانے سے نہ چوکتے۔ یہ گروہ آخر تک اپنی بد ذاتیوں میں لگا رہا۔ ان کا سردار عبد اللہ بن ابی تھا۔ یہودیوں نے اُس کو اپنے ساتھ ملایا۔ اور چونکہ بدر کے واقعہ نے ان میں زیادہ تشویش پیدا کر دی تھی اس لئے اُنہوں نے علانیہ فساد پر کمر باندھی ⁂

یہودیوں اور مسلمانوں میں فساد اتفاق سے ایک انصاری عورت ایک یہودی کی دوکان

پر آئی - یہودیوں نے اس کی بے حرمتی کی -
ایک مسلمان کو غیرت آئی - اس نے یہودی کو
قتل کر دیا یہودیوں نے مسلمان کو قتل کر دیا۔
اس واقعہ سے جنگ تک نوبت پہنچی - یہودی قلعہ
بند ہو گئے +

یہود کے متعلق رسول اللہ ص کا فیصلہ

بالآخر انہوں نے قبول کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم جو فیصلہ کریں گے ہم کو منظور ہوگا - عبد
اللہ بن ابی کی سفارش پر آپ نے ان لوگوں
کو حدود شام کی طرف جلا وطن کر دیا - اسی
طرح یہودیوں کے ایک اور قبیلہ بنی نضیر
کو بھی اپنی شرارتوں کے سبب مدینہ سے نکلنا
پڑا - ان میں سے بہت سے رؤسا خیبر جا کر آباد
ہو گئے +

یہود اور قریش ملکر جنگ کی تیاری کرتے ہیں

یہودیوں کو جو ان کی نا قابل برداشت شرارتوں کے سبب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں یہ رسوائی

اور ذلت نصیب ہوئی تو اُن میں اِنتقام کی آگ بھڑک اُٹھی۔ اُدھر کفار مکہ ابھی تک جوشِ اِنتقام میں سرشار تھے۔ ان دونوں نے مِل کر اب اسلام کے استیصال پر کمر باندھی۔ اور اکثر قبائل کو اسلام کے خلاف جنگ پر آمادہ کر دیا بہت سے قبائل یہودیوں اور قریش مکہ سے مِل گئے اور ایک بڑی فوج تیار کی جس کی تعداد چوبیس ہزار تھی۔ یہ فوج مدینہ کی طرف بڑھی ‹

جنگ احزاب کا بیان!

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تین ہزار جان نثاروں کے ساتھ شہر سے نِکلے اور ایک محفوظ مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ فوج کے گِرد خندق کھودی گئی۔ محاصرہ شروع ہوا اور تقریباً ایک ماہ تک قائم رہا۔ کافر خندق کو عبور نہیں کر سکتے تھے مگر باہر سے تیروں اور پتھروں کی برابر بارش ہوتی رہتی تھی۔ ایک دفعہ حملہ اس شدت سے ہوا کہ کفار کے چند مشہور بہادر خندق کو پھاند کر مسلمانوں کی فوج میں گھس آئے ان میں سب سے زیادہ مشہور بہادر عمرو

بن عبدود تھا۔ وہ ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ اس کی عمر ۹۰ برس کی تھی مگر چونکہ بدر میں زخم کھایا تھا۔ اس کا اِنتقام لینا چاہتا تھا۔ یہ حضرت علیؓ کے ہاتھوں قتل ہوُا۔ باقی لوگ بھاگ گئے +

کفار کی شکست کے اسباب

محاصرہ لمبا ہو گیا تو محاصرین نے ہمت ہار دی۔ رسد کی کمی واقع ہو گئی اور اللہ تعالےٰ کی خاص نصرت نہایت زور کی ہوا کی صورت میں نمودار ہوئی۔ اس کے علاوہ محاصرین میں پھوٹ پڑ گئی۔ نتیجہ یہ ہوُا کہ کفار محاصرہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ یہ لڑائی جنگ احزاب کے نام سے موسُوم ہے اس لئے کہ بہت سے قبیلے اس میں شامل ہوئے تھے۔ اسی کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں +

مسلمان عورتوں کی شجاعت

جس قلعہ میں عورتیں رکھی گئی تھیں اُس کے نزدیک

یہودیوں کی آبادی تھی۔ یہودیوں نے یہ دیکھ کر کہ عورتیں اکیلی ہیں قلعہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ ایک یہودی حملہ کرنے کا موقع تلاش کر رہا تھا۔ حضرت صفیہؓ نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں خیمہ کی ایک چوب اکھاڑ لی اور اتر کر اس یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا اور وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ حضرت صفیہؓ نے اس کے ہتھیار اور کپڑے اتار لئے اور اس کا سر کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دیا جس سے یہودیوں کو یقین ہوگیا کہ قلعہ میں فوج ہے اور وہ حملہ کرنے سے باز رہے:

رسول اللہ کی معجزانہ قوت

جب خندق کھودنے کا کام جاری تھا تو آپ بھی مزدوروں کی طرح اپنے دست مبارک سے کام کرتے تھے۔ کھودتے کھودتے اتفاق سے ایک بڑی چٹان آگئی۔ مگر کسی کی ضرب سے وہ پتھر نہ ٹوٹا۔ آپ کو تین دن کا فاقہ تھا مگر آپ نے پھاوڑا

ہاتھ میں لیا اور ایک ہی ضرب سے چٹان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے ۔

صلح حدیبیہ ۶ھ

حج کے لئے روانگی کا ارادہ

حج اسلام کا ایک ضروری فریضہ ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے دل میں تڑپ تھی کہ اس فریضہ کو اس سال ادا کریں۔ مہاجرین کو جو اُن کا پیارا وطن تھا دیکھنے کے لئے نہایت آرزو مند تھے۔ کعبہ کی زیارت کا حق ہر شخص کے لئے تسلیم کیا گیا تھا اور اس میں کسی کے لئے کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ معہ اپنے دوستوں کے حج کر رہے ہیں۔ ان وجوہات کی بنا پر آپ نے اس سال حج کا ارادہ کیا ۔

مکہ کی طرف روانگی اور صلح کی درخواست

آپ نے

تیرہ چودہ سو کے قریب صحابہ کو ساتھ لیا اور مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ مسلمانوں کے پاس سوائے تلواروں کے اور کسی قسم کا ہتھیار نہ تھا۔ لیکن باوجود اس احتیاط کے جب مکہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہُوا کہ قریش جنگ کے لئے تیار ہو کر نکل آئے ہیں۔ آپ نے قریش کو کہلا بھیجا کہ ہم لڑائی کے لئے نہیں آئے صرف حج کے لئے آئے ہیں۔ بہتر ہے کہ تم لوگ کچھ مدت کے لئے ہم سے صُلح کر لو۔

اعیان قریش کی صُلح پر امادگی

جب قریش نے یہ بات سُنی تو اُن کے درمیان جو شورہ پشت لوگ تھے انہوں نے اس تجویز کو ٹھکرا دیا۔ مگر بُوڑھے تجربہ کاروں کو یہ غنیمت معلوم ہوا۔ کیونکہ انہوں نے اِسلام کی قوت کا خود تجربہ کر لیا تھا۔ اور جنگ سے اُن کے کاروبار کو بھی نقصان پہنچ رہا تھا اِس لئے وہ صُلح پر راضی تھے۔ مگر ابھی اس پر سب کا اتفاق نہ تھا۔

بیعت رضوان آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو سفیر بنا کر بھیجا۔ مگر قریش نے ان کو نظر بند کر لیا اور یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمان مارے گئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جب یہ خبر سُنی تو آپ نے سمجھا کہ کفار صلح پر آمادہ نہیں۔ اس لئے آپ نے صحابہ سے جان نثاری کی بیعت لی۔ اس بیعت کا نام بیعت الرضوان ہے +

صُلح حدیبیہ کی شرائط کفار کو جب پتہ لگا۔ کہ مسلمانوں نے مرنے مارنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو اُن کو ہوش آ گیا۔ آخر اُنہوں نے سہیل بن عمرو کو سفیر بنا کر بھیجا۔ مگر یہ شرط لگا دی کہ ہم اس سال حج کی اجازت نہیں دیں گے۔ بہت تکرار کے بعد معاہدہ تیار ہؤا جس کی بڑی بڑی شرائط مندرجہ ذیل تھیں +

(۱) مسلمان اس سال حج کئے بغیر واپس جائیں +

(٢) مکہ میں جو مسلمان ہیں ان کو ساتھ نہ لے جائیں اور جو مکہ میں رہنا چاہیں ان کو نہ روکیں ؛

(٣) مکہ والوں میں سے اگر کوئی مدینہ جائے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو لازم ہوگا کہ اس کو واپس کر دیں ۔ لیکن اگر مسلمانوں میں سے کوئی مکہ چلا جاوے تو قریش اس کو واپس کرنے کے پابند نہ ہوں گے ؛

صلح حدیبیہ کی حقیقت

یہ عہد نامہ مقام حدیبیہ پر جو مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے ۔ ایک ببول کے درخت کے نیچے لکھا گیا ۔ ظاہر میں یہ عہد نامہ کفار کے حق میں تھا اور اس لئے مسلمانوں کو ناگوار گذرا کیونکہ ان لوگوں کی آنکھیں صرف ظاہر کو دیکھتی تھیں ۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جس کو غیب کا سب علم ہے اسی واقعہ کو مسلمانوں کی فتح سے موسوم کیا ۔ اللہ

صُلح حدیبیہ کس طرح اسلام کی فتح ثابت ہوئی ۔	یہ اسلام کی فتح ثابت بھی

ہوا ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض و غایت تو اشاعت اسلام تھی ۔ جنگ اس اشاعت میں بڑی روک تھی ۔ جب صلح ہو گئی تو کافروں کو مسلمانوں کے ساتھ ملنے اور اُن کے حالات دیکھنے کا موقع ملا ۔ اس لئے بدظنیاں دُور ہو گئیں ۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ اس واقعہ کے بعد اسلام کو دن دگنی رات چوگنی ترقی شروع ہو گئی ۔ پس یہ واقعہ گو مسلمانوں کے لئے مغلوبیت کا وہم رکھتا تھا مگر بیقین میں اسلام کے لئے فتح مبین تھا ۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو رضی اللہ تعالےٰ عنہ بن عاص بھی انہی دنوں اسلام سے مشرف ہوئے ؛

حضرت عمرؓ کی خالص توحید	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

صُلح حدیبیہ سے پہلے جو بیعت اپنے صحابہ سے لی وہ ایک ببول کے درخت کے نیچے ہوئی تھی۔ صحابہ میں بعض خوش اعتقاد بھی تھے۔ اُنھوں نے اِس درخت کی زیادت شروع کر دی اور اس کو متبرک سمجھنے لگے۔ مگر حضرت عمرؓ نے جو سمجھتے تھے کہ رسولؐ کی رسالت کا مقصد صرف خالص توحید کی اشاعت ہے۔ اِس میں شرک کا شائبہ دیکھ کر اس درخت کو اکھڑوا دیا۔

رسول اللہ صلعم سے مسلمانوں کا عِشق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز صُلح پر

ابھی قریش میں اختلاف تھا کہ ایک رئیس عروہ قریش کی طرف سے گفتگو کرنے کے لِئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوُا۔ اس شخص کو صحابہ کے عِشق اور جان نثاری کا پُورا احساس نہ تھا۔ اتفاق سے نماز کا وقت آگیا آپ جب وضو کر رہے تھے تو صحابہ پانی کو زمین پر گرنے نہ دیتے تھے اور چلوؤں

میں لے کر اُسے اپنے بدن پر مل لیتے تھے۔
عروہ پر اس کا بڑا اثر ہُوا۔ وہ واپس گیا۔ تو اُس نے قریش سے جا کر کہا کہ "اس شخص سے صلح بہتر ہے۔ میں نے جو عشق اور محبّت یہاں دیکھی ہے۔ قیصر۔ کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں بھی نہیں دیکھی +

رسُول اللہ عہد کے کیسے پابند تھے۔

صلح کی شرط تھی کہ جو مُسلمان مکہ میں ہیں اگر یہ مدینے جائیں تو واپس کئے جائیں گے۔ مکہ میں ایک مُسلمان تھے جن کا نام ابو جندل تھا۔ ان کو مکہ میں سخت اذیت دی جاتی تھی۔ اُن کی خواہش تھی کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ جائیں۔ اُنہوں نے حضوُر سے یہ درخواست کی اور اپنی حالت زار دکھائی۔ مگر عہد کی پابندی ملاحظہ ہو کہ آپ نے فرمایا کہ "عہد کی پابندی اسلام کا بڑا شعار ہے۔ صبر کرو۔ خدا تمہارے لیئے کوئی راہ نکال دے گا"+

مسلمانوں کی مضبوطیٔ ایمان

کفار کی ایذا دہی سے تنگ آکر جو مسلمان بھاگ کر مدینے گئے اُن میں سے سب سے اوّل عتبہ تھے۔ قریش نے رسول اللہؐ کے پاس دو آدمی بھیجے کہ ہمارا آدمی واپس کر دو۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عتبہ سے فرمایا کہ واپس جاؤ۔ عتبہ واپس گئے۔ ملاحظہ ہو آپ کی پابندیٔ عہد اور مسلمانوں کے ایمان کی مضبوطی ❊

---

۶ سنہ ہجری سے فتح مکّہ تک

بادشاہوں کو دعوت اسلام ۷ سنہ
قیصر روم کے نام خط

صُلح حدیبیہ کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم شاہ عجم عزیز مصر نجاشی اور عرب کے سرداروں کے نام دعوت اسلام کے خط لکھے۔ قیصر

روم کو جب خط ملا تو اُس نے حکم دیا کہ اگر عرب کا کوئی شخص مل سکے تو اُس کو لاؤ۔ ابو سفیان ان دنوں تجارت کی غرض سے اس علاقہ میں تھا۔ قیصر کے آدمی اس کو قیصر کے پاس لے گئے۔ قیصر نے اپنا دربار آراستہ کیا اور ابو سفیان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوال کئے۔ ابو سفیان نے جو جواب دیا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے:۔

اسلام کی تعلیم ابوسفیان کی زبانی

"یہ مدعی نبوت شریف خاندان سے ہے۔ اس کے خاندان میں سے نہ کبھی کوئی بادشاہ ہوا ہے اور نہ کسی نے نبوت کا کبھی دعویٰ کیا ہے۔ اس کے پیرو برابر بڑھ رہے ہیں۔ اس نے آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اور نہ کبھی بد عہدی کی۔ وہ یہ سکھاتا ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اور اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ پاک

دامنی اختیار کرو۔ سچ بولو اور صلہ رحمی کرو" ۔

جو کچھ ابو سفیان نے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصلت کی صحیح تصویر اور آپ کی تعلیم کا لطیف ترین خلاصہ ہے۔

قیصر نے ابو سفیان کی باتیں سن کر کیا کہا

قیصر کو خدا نے فطرت سلیم عطا کی تھی۔ اس نے کہا:۔

"میں جانتا ہوں ایک پیغمبر آنے والا ہے۔ اگر میں جا سکتا تو اس کے پاؤں دھوتا" ۔

اس کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا خط پڑھا گیا جس سے اس کے درباری اور پادری بہت ناراض ہوئے۔ قیصر چونکہ اتنے مخالفین کے درمیان تنہا تھا مصلحت کے تقاضے سے اس نے علانیہ اپنے اسلام کا اظہار نہ کیا ۔

خسرو شاہ ایران اور رسول اللہ صلعم کا خط | ایران

کا بادشاہ اس وقت خسرو پرویز تھا۔ یہ بڑا عظیم الشان بادشاہ تھا اِس لئے اس کے سر میں غرور تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خط اُس کو بھیجا اس میں پہلے خدا کا نام تھا اور پھر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ خسرو نے اس کو اپنی تحقیر سمجھا اور حضورؐ کے خط کو پھاڑ ڈالا۔ تھوڑے دنوں کے بعد اس کی سلطنت پارہ پارہ ہوگئی ؂

نجاشی اور شاہ مصر کے نام خط!

نجاشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خط پہنچنے پر اِسلام قبول کیا۔ شاہ مصر کو خط ملا تو گو وہ اسلام نہیں لایا مگر اس نے آپ کے خط کی بڑی عزت کی اور آپ کو قیمتی تحائف بھیجے۔ عرب کے رؤسا کو خط لکھے گئے۔ مگر ان میں سے کِسی نے دعوت اِسلام کو قبول نہ کیا۔ یہ خطوط ۷ھ میں لکھے گئے۔ اسی سنہ میں ایک اور عظیم الشان واقعہ پیش آیا۔ یہ خیبر کی فتح تھی ؂

جنگ خیبر کا سبب اور تیاری

خیبر مدینہ سے دو سو میل کے فاصلہ پر ایک نہایت زرخیز مقام میں واقع تھا اور یہودیوں کی طاقت کا مرکز تھا یہاں اُن کے بڑے مضبوط قلعے تھے۔ بنو نضیر مدینہ سے جلاوطن ہو کر یہیں آباد ہُوئے تھے احزاب کی لڑائی انہی کے اکسانے کا نتیجہ تھی۔ لیکن اس ناکامی کے بعد بھی یہ شرارت سے باز نہیں آئے۔ ایک بڑی فوج اکٹھی کی اور مدینہ پر حملہ کی تیاری کی۔ آپ کو جب اس کا علم ہُوا تو آپ محرم ۷ھ میں مدافعت کے لیئے روانہ ہو گئے۔ مجاہدین کی تعداد ۱۶۰۰ تھی۔ اس لڑائی میں آپ نے علم بھی تیار کرائے جن میں سے ایک حضرت علیؓ کو عطا ہُوا۔

خیبر کی فتح حضرت علیؓ کے ہاتھوں۔ مرحب

خیبر میں چھ قلعے تھے جن میں سب سے مضبوط قلعے کا نام قیموس تھا۔ اس قلعہ کا سردار

عرب کا مشہور بہادر مرحب تھا جو ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ یہودیوں نے بڑی تیاری کی تھی۔ لیکن ان کے پانچ قلعے آسانی سے فتح ہو گئے۔ قیموس کے سر کرنے کے لئے آپ نے پہلے حضرت ابو بکر اور عمر کو بھیجا۔ مگر وہ ناکام واپس آئے۔ آخر آپؐ نے یہ مہم حضرت علی کے سپرد کی۔ ان کی آنکھیں دُکھتی تھیں پھر بھی آپ نے خوشی سے اس مہم کو قبول کیا۔ مرحب مقابلہ کے لئے نکلا مگر ذوالفقار کی ایک ہی ضرب سے اُس کا کام تمام ہوگیا۔ جب جرنیل مارا گیا تو فوج کا مغلوب ہو جانا آسان کام تھا۔ قلعہ مسخر ہوگیا۔ خیبر کے محاصرہ میں بیس دن لگے اور کُل جنگ میں ۹۷ یہودی مارے گئے۔

غزوۂ موتہ کا سبب جو دعوت اسلام کے خط آپ نے بادشاہوں کے نام بھیجے تھے ان میں ایک خط شرجیل کے نام تھا جو بصریٰ کا بادشاہ

تھا۔ اس خط کے لے جانے والے حارث تھے
جن کو شرجیل نے قتل کرا دیا۔ اگر آپ
اس قتل ناحق کا قصاص نہ لیتے تو آئندہ
آپ کے سب قاصدوں کا یہی حال ہوتا۔
اس لئے ضروری تھا کہ شرجیل کی سرکوبی
کی جاوے۔ آپ نے تین ہزار فوج تیار
کرکے روانہ کی۔ شرجیل ایک لاکھ فوج لے
کر مقابلہ پر نکلا +

غزوہ موتہ کا بیان

مسلمان نے بڑی شجاعت
سے جنگ کی۔ مگر تین
ہزار کہاں اور ایک لاکھ کہاں! مسلمانوں کے
کئی جرنیل مارے گئے۔ آخر حضرت خالد نے
فوج کی کمان لی اور بڑی شجاعت اور ہنر
مندی سے مسلمانوں کو دشمنوں کی زد سے
نکال لائے۔ یہ جنگ ۸ھ میں موتہ پر
ہوئی جو شام میں ایک مقام ہے اور اس
لئے یہ غزوہ موتہ کے نام سے موسوم ہے +

ضروری نکتہ۔ مساوات انسانی کی شاندار مثال

اس جنگ میں
اسلامی جنگ کی

سپاہ سالاری زید بن حارثہ کو ملی جو رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ بڑے بڑے معززین مہاجرین اور انصار جن میں حضرت جعفر بھی تھے جو حضرت علی کے بھائی تھے ان کے ماتحت رکھے گئے +

مسلمانوں میں چرچا ہُوا کہ ایک آزاد کردہ غلام کو کِس وجہ سے کمان افسر بنایا جاتا ہے۔ مگر چونکہ اِسلام دُنیا کو انسانی مساوات کا نہایت ہی ضروری اور قیمتی سبق دینے آیا تھا۔ اِس لیے آپ نے غلام اور آزاد کی تفریق مٹا دی تھی۔ چنانچہ اسی تعلیم اور طرز عمل کا یہ نتیجہ تھا کہ اِسلامی تاریخ میں سینکڑوں غلام بادشاہی کے تخت پر متمکن نظر آتے ہیں۔

نہایت غیر محفوظ حالت میں بادشاہوں کو خط لکھنا کیا معنے رکھتا ہے

جس وقت آپ نے بادشاہوں کو خط لکھے اُس وقت مسلمانوں کی حالت نہایت غیر محفوظ تھی ہر طرف دشمنوں کا زور تھا اور جتھے بن رہے

تھے کہ مُسلمانوں کی جماعت کا استیصال کر
دیں - ایسی حالت میں بادشاہوں کو دعوت اسلام
دینا ثابت کرتا ہے کہ آپ کو بصیرت تھی
کہ آپ سب دنیا کے لئے ہادی بن کر آئے
ہیں - اور آپ کو یہ بھی یقین تھا کہ

اِسلام ہی دُنیا کا
عالمگیر مذہب ہے -

فتح مکّہ۔ رمضان ۸ھ

صلح حدیبیہ کیوں فسخ ہوئی

صلح حدیبیہ کے بعد بنو خزاعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف بن گئے تھے اور ان کے دشمن بنو بکر قریش کے۔ بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ قریش نے علانیہ ان کی امداد کی۔ بنو خزاعہ نے حرم میں جہاں لڑائی کرنا ممنوع تھا پناہ لی۔ بنو بکر نے وہاں بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا اور ان کو قتل کیا۔

خزاعہ کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فریاد لایا اور امداد کا طالب ہُوا۔ آپ نے فوراً جنگ کرنے کی بجائے پہلے قریش کے پاس قاصد بھیجا اور تین شرطیں پیش کیں:۔

(۱) مقتولوں کا خون بہا دیدو۔

(۲) بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جاؤ۔ یا

(۴) اعلان کردو کہ صلح حدیبیہ کا معاہدہ فسخ ہو گیا۔

قریش کی جنگ پر آمادگی

قریش نے تیسری شرط منظور کی۔

مگر جب قاصد چلا گیا تو انہوں نے سوچا اور اپنی بے وقوفی کا احساس کر کے ابو سفیان کو مدینہ بھیجا کہ صلح حدیبیہ کی تجدید کر آئے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے مکہ پر چڑھائی کرنے کی تیاری کی اور گردو پیش کے قبائل کو شامل ہونے کے لئے قاصد بھیجے۔

مکہ پر حملہ اور ابو سفیان کا اسلام

ماہ رمضان ۸ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار جان نثاروں کے ہمراہ مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور مکہ سے قریباً ایک منزل کے فاصلہ پر ڈیرے ڈال دیئے۔ آپ کی آمد کی خبر قریش کو مل چکی تھی۔ انہوں نے

ابو سفیان کو مع دُوسرے دو آدمیوں کے تحقیق کرنے کے لئے بھیجا - مگر ابو سفیان گرفتار ہو گیا - اور جب آپ کے سامنے لایا گیا تو اس نے فوراً اسلام قبول کر لیا +

ابو سفیان کو اسلام کی شان دکھائی گئی تاکہ وہ قریش کو جنگ سے روک دے

جب اسلامی افواج مکہ پر چڑھیں تو ابو سفیان کو ایک بلند مقام پر کھڑا کیا گیا کہ اپنی آنکھوں سے اسلام کی قوت اور شان کا معائنہ کرے - اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ غرض تھی کہ ابو سفیان اہل مکہ کو واپس جا کر سب چشم دید حالات سُنا دے تاکہ قریش مقابلہ کو بے سود سمجھ کر جنگ سے رُک جائیں اِس لئے کہ آپ جنگ اور خون ریزی سے طبعًا نفور تھے +

رسُول اللہ کا کریمانہ اعلان - قریش کیطرف سے معمُولی مقابلہ

مکہ پہنچکر علم نبوی مقام حجون

پر نصب کیا گیا - اعلان کیا گیا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جاوے یا اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اس کو امان دی جاوے گی - باوجود اس اعلان کے قریش کی ایک جماعت نے مقابلہ کیا اور خالد کی فوج پر تیر برسائے جن سے دو مسلمانوں نے شہادت پائی - حضرت خالد نے مجبور ہو کر حملہ کیا اور کفار کے تیرہ آدمی ہلاک ہوئے - خالد سے اس کے متعلق سخت باز پرس ہوئی مگر چونکہ پہل دشمنوں نے کی تھی اس لیئے ان کو معافی دی گئی +

حرم میں داخلہ

اس کے بعد آپ حرم میں داخل ہوئے جہاں تین سو ساٹھ بُت تھے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک کی طرف لکڑی کے سرے سے اشارہ کرتے جاتے تھے اور پڑھتے جاتے تھے جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا - عین کعبہ میں بہت سے بُت تھے جو خدا مانے جاتے تھے - یہ سب نکلوائے گئے

پھر آپ کعبہ میں داخل ہوئے اور نماز ادا کی۔ پھر آپ نے خطبہ دیا جس کا ترجمہ ذیل میں ہے۔

کعبہ میں رسول اللہ کا خطبہ۔

"ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں۔ اُس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کیا۔ اس نے اپنے بندوں کی مدد کی اور تمام جتھوں کو توڑا۔ ہاں تمام مفاخر تمام پرانے خونوں کے انتقام اور تمام خون بہا سب میرے پاؤں کے نیچے ہیں"۔

"تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا۔ اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے کہ آپس میں ایک دوسرے سے پہچان لیے جاؤ۔ لیکن خدا کے نزدیک شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ خدا بڑا دانا اور واقفکار ہے۔ خدا نے شراب کی خرید و فروخت حرام کر دی ہے"۔

فاتح مفتوحوں سے کیا سلوک کرتے ہیں۔

خطبہ کے بعد آپ قریش کی طرف متوجہ ہوئے۔ قریش

نے جو جو دُکھ آپ کو دِئے تھے وہ مختصراً پیچھے لِکھے جا چکے ہیں۔ اگر کوئی دوسرا آدمی ہوتا تو اس وقت وہ کِس سلوک کی توقع کر سکتے تھے؟ ہندوستان کی بزرگ ترین ہستی رام چندر جی نے جب لنکا فتح کیا تو کیا کیا؟ سری کرشن جی نے کوروُں کے متعلق کیا کاروائی کی؟ مگر رحمتہ اللعالمین نے جو کچھ کیا وہ دُنیا اور اِنسانوں کی تاریخ میں ایک یگانہ واقعہ ہے +

آپ نے دشمنوں سے پُوچھا:۔

آپ کا عفو تارِیخ میں بے نظیر ہے

"تم مجھ سے کِس سلُوک کی توقع رکھتے ہو؟"

وہ آپ کی رحیم فطرت سے واقف تھے۔ پکار اُٹھے کہ "تو شریف بھائی اور شریف بھائی کی اولاد ہے"۔ آپ نے فرمایا "تم پر کچھ الزام نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو"۔ اس کے بعد آپ ایک بلند مقام پر بیٹھ گئے۔ جو لوگ اِسلام قبوُل کر لیتے وہ آ کر بیعت کرتے جاتے۔ اس کے بعد عورتوں نے بیعت کی +

امان کے اعلان میں اسلام لانا کوئی شرط نہ تھی

معترض یہ الزام لگاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگیں اسلام کی اشاعت کی غرض سے تھیں۔

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب امان کا اعلان کیا تو اُس میں اسلام لانا کوئی شرط نہیں تھی۔ کسی شخص کو بھی ایمان لانے پر مجبور نہیں کیا گیا۔ فتح مکہ کے بعد حنین کا واقعہ پیش آیا۔ اور یہ ثابت شدہ امر ہے کہ اس جنگ میں مسلمان لشکر میں مکہ کے بہت سے کافر بھی تھے جو اب تک کفر کی حالت میں تھے

جنگ حنین ۸ھ

ہوازن اور ثقیف۔ جنگ حنین کا سبب

مکہ کے مشرق کی طرف عرب کے دو بڑے بڑے قبیلے

نے جو جو دُکھ آپ کو دِئے تھے وہ مختصراً پیچھے لِکھے جا چکے ہیں۔ اگر کوئی دوسرا آدمی ہوتا تو اس وقت وہ کِس سلوک کی توقع کر سکتے تھے؟ ہندوستان کی بزرگ ترین ہستی رام چندر جی نے جب لنکا فتح کیا تو کیا کیا؟ سری کرشن جی نے کوروُں کے متعلق کیا کارروائی کی؟ مگر رحمۃ اللعالمین نے جو کچھُ کیا وہ دُنیا اور اِنسانوں کی تاریخ میں ایک یگانہ واقعہ ہے ؛

آپ نے دشمنوں سے پُوچھا:۔

آپ کا عفو تارِیخ میں بے نظیر ہے

"تم مجھُ سے کِس سلوُک کی توقع رکھتے ہو؟"

وہ آپ کی رحیم فطرت سے واقف تھے۔ پُکار اُٹھے کہ "تو شریف بھائی اور شریف بھائی کی اولاد ہے"۔ آپ نے فرمایا "تم پر کچھ الزام نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو"۔ اس کے بعد آپ ایک بلند مقام پر بیٹھ گئے۔ جو لوگ اِسلام قبوُل کر لیتے وہ آکر بیعت کرتے جاتے اس کے بعد عورتوں نے بیعت کی ؛

امان کے اعلان میں اسلام لانا کوئی شرط نہ تھی

معترض یہ الزام لگاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگیں اسلام کی اشاعت کی غرض سے تھیں۔

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب امان کا اعلان کیا تو اُس میں اسلام لانا کوئی شرط نہیں تھی۔ کسی شخص کو بھی ایمان لانے پر مجبور نہیں کیا گیا۔ فتح مکہ کے بعد حنین کا واقعہ پیش آیا۔ اور یہ ثابت شدہ امر ہے کہ اس جنگ میں مسلمان لشکر میں مکہ کے بہت سے کافر بھی تھے جو اب تک کفر کی حالت میں تھے؛

جنگ حنین ۸ھ

ہوازن اور ثقیف۔ جنگ حنین کا سبب

مکہ کے مشرق کی طرف عرب کے دو بڑے بڑے قبیلے

تھے جن کے نام ہوازن اور ثقیف تھے - یہ دونوں قبیلے بڑے جنگجو اور شجاعت میں سارے عرب میں ممتاز تھے - فتح مکہ کے بعد عرب کے اکثر قبائل نے خود بخود اسلام کی طرف رجوع کر لیا تھا - مگر ہوازن اور ثقیف کو اپنی بہادری پر ناز تھا - اور اسلام کی مخالفت ان کے دلوں میں موج زن تھی - اس لئے اُنہوں نے ایسے قبائل کو جنہوں نے اِسلام قبول نہیں کیا اپنے ساتھ ملایا اور بڑے جوش سے حملہ کرنے کے لیے پیش قدمی کی - اور مقام حنین پر پہنچ گئے جو مکہ کے مشرق میں ایک وادی ہے - رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کے حملہ کا علم ہُوا تو آپ نے مجبُوراً خود بھی تیاری کی - اور بارہ ہزار فوج کے ساتھ حنین کی طرف بڑھے - ان بارہ ہزار میں دو ہزار وہ لوگ تھے جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے - ان کے کمان افسر حضرت خالد تھے اور سب سے آگے تھے ؛

جنگ حنین کا بیان۔

ہوازن بڑے تیر انداز تھے۔ اُنھوں نے مقام جنگ پر پہنچتے ہی اچھے اچھے موقعوں پر قبضہ کر لیا۔ اور مناسب جگھوں پر تیر انداز مقرر کر دئے۔ جونہی جنگ شروع ہوئی ہوازن کے تیروں کی تاب نہ لاکر خالد کی ماتحت فوج کے قدم اُکھڑ گئے۔ یہ پیچھے ہٹے اور ان کے ہٹنے سے ساری فوج میں ابتری پھیل گئی حتٰی کہ سب منتشر ہو گئے اور رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ صرف چند صحابہ رہ گئے۔ فوج سب منتشر ہے۔ مگر آپ اپنی جگہ پر ڈٹے ہیں اور یہ رجز پڑھ رہے ہیں +

"میں موعُود نبی ہوں۔ اس میں کوئی جھُوٹ نہیں۔ میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں" +

پھر حضرت عباس کی آواز پر سب انصار اور مہاجرین پلٹ پڑے اور ایک آن کی آن میں لڑائی کا رنگ بدل گیا اور دشمن

کو شکست ہوئی۔ شکست خوردہ فوج کا بہت سا حصہ طائف کی طرف چلا گیا۔ چھ ہزار قید ہوئے۔ چوبیس ہزار اونٹ چالیس ہزار بکریاں اور چاندی کی بہت سی مقدار غنیمت میں ہاتھ لگی۔ اسیرانِ جنگ سب بلا معاوضہ آزاد کر دئے گئے۔ اور مال غنیمت زیادہ تر مکہ والے نومسلموں میں تقسیم کیا گیا۔

محاصرہ طائف اور مکہ کو واپسی

حنین سے بھاگی ہوئی فوج نے طائف پہنچکر پھر جنگ کی تیاری شروع کی۔ طائف بڑا مضبوط اور محفوظ شہر تھا جس کے گرد فصیل بھی تھی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے شہر کا محاصرہ کیا۔ مگر چونکہ شہر فتح کرنا مقصود نہ تھا آپ نے تھوڑے دنوں کے بعد محاصرہ اٹھا لیا اور واپس ہوئے۔

اہل طائف کے حق میں رسول اللہ کی دعا

جب آپ طائف سے

محاصرہ اُٹھا کر چلے تو کسی نے عرض کی کہ آپ ان لوگوں کے حق میں بد دُعا کریں۔ یاد ہوگا کہ آپ جب تبلیغ حق کے لیئے طائف تشریف لائے تھے تو طائف والوں سے آپ کو کیا کیا دُکھ پہنچے تھے۔ مگر آپ نے بجائے بد دُعا کرنے کے یہ دُعا کی کہ اے اللہ تو ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو میرے پاس لے آ۔ تھوڑی مُدّت کے بعد یہ سب لوگ مسلمان ہو گئے +

حضرت ابراہیم کی وفات
سُورج گرہن
مُسلمانونکو آپ کی تنبیہ

اسی سال حضرت ماریہ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہؤا جس کا نام ابراہیم رکھا گیا۔ یہ بچہ ایک سال زندہ رہا جس دن وہ فوت ہؤا اُسی روز سورج گرہن لگا۔ لوگوں نے سمجھا کہ سُورج نے ابراہیم کا ماتم کیا +

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ سُورج یا چاند کے

گرہن کو کسی انسان کی موت سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کے بعد آپ نے کسوف کی نماز پڑھی +

آپ نے اپنی رضاعی بہن کی کیسے عزت کی۔

حنین کے قیدیوں میں آپ کی دودھ بہن حلیمہ کی بیٹی شیما بھی تھیں۔ آپ نے جب اس کو پہچانا تو فوراً اپنی چادر بچھادی اور بڑی عزت کے ساتھ بٹھایا اور بہت سے تحائف دے کر اُن کو رُخصت کیا۔+

ثقیف کے قیدیوں پر آپ کا رحم۔

اس جنگ میں چھ ہزار آدمی قیدی بنائے گئے تھے۔ قوم ثقیف کے ایک وفد نے آکر حضورؐ میں عرض کیا کہ "ہم پر پہلے ہی اس جنگ سے بڑے مصائب پڑے ہیں اس لئے ہم سے فدیہ نہ لیا جاوے"۔ آپ نے اپنے حصّہ کے قیدیوں کو فوراً آزاد کر دیا۔ اور باقیوں کے لئے اپنی فوج کے آدمیوں

سے سفارش کی - اور ایسے شدید دشمنوں سے نہ فدیہ لیا اور نہ ان کو اسلام لانے پر مجبور کیا +

۹ سنہ ہجری کے واقعات

غزوہ تبوک کا سبب

رومیوں کی سلطنت شمال میں عرب سے ملحق تھی - عرب کے بعض فرمانروا مثلاً غسان کا بادشاہ رومیوں کے ماتحت تھے۔ غزوۂ موتہ میں رومیوں نے بھی تھوڑی سی فوج سے شرکت کی تھی جب اسلام کے پرچم کے نیچے تمام عرب کے جمع ہونیکی خبر قیصر نے سُنی تو اس کو اور اس کے عیسائی مشیروں کو اس میں عیسویت کے لئے خطرہ نظر آیا - اور اس لئے انہوں نے عزم کر لیا کہ عرب کو فتح کر کے اسلام کا استیصال کر دیں - رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں بعض شام کے سوداگروں نے خبر دی۔ کہ قیصر نے مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے بڑی

تعداد میں فوج جمع کی ہے +

غزوہ تبوک کا حال

اس خبر کی صحت کے لئے سب قرائن موجود تھے اس لئے آپ نے مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا۔ مسلمان قبائل عرب کو بھی شمولیت کے لئے لکھا۔ اور تیس ہزار فوج کے ساتھ مدینہ سے نکلے۔ جب آپ مقام تبوک میں پہنچے جو مدینہ سے شمال کی جانب چودہ منزل پر واقع ہے تو معلوم ہوا کہ قیصر کے حملہ کی خبر غلط تھی۔ تبوک پہنچکر آپ نے بیس روز قیام فرمایا اور مختلف عرب رؤسا سے شرائط صلح طے کرکے آپ مدینہ واپس تشریف لائے۔ غزوہ تبوک کی تاریخ رجب سنہ ۹ھ ہے +

تنبیہ۔ ثمود کی بستی سے آپ کیسے گذرے

تبوک کی طرف جاتے ہوئے راہ میں قوم ثمود کی بستی کے پاس سے گزرنا تھا۔ چونکہ اس قوم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا تھا اس لئے آپ نے حکم دیا کہ کوئی شخص نہ یہاں قیام کرے نہ

پانی پئے اور نہ کوئی کام کرے +

کعب کی اِسلامی غیرت

تبوک کی مہم میں بعض صحابہ شامل نہ ہوئے تھے ۔کعب بن مالک پر اس وجہ سے آپ ناراض ہوئے اور ایک لمبی مُدّت تک اس سے سب مسلمانوں نے حتیٰ کہ اسکی بی بی نے سب قسم کے تعلقات قطع کر لیئے ۔کعب نہایت باغیرت عرب رئیس تھے ۔غسان کے بادشاہ کو اس واقعہ کا علم ہُوا تو اس نے کعب کو لِکھا ۔ "میں نے سُنا ہے کہ محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے تمہاری قدر نہیں کی ۔ تم میرے پاس چلے آو ۔ میں تمہارے رُتبہ کے موافق تم سے سلوک کرُونگا" ظاہر میں کعب سے گو نہایت درجہ کی بدسلوکی ہو رہی تھی مگر اُس نے اس خط کو تنور میں ڈال دیا +

نکتہ ۔ واقع تبُوک سے کیا ثابت ہوتا ہے !

دُشمن کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگوں کی غرض فتوحات اور اشاعت اِسلام

تھی۔ لیکن واقعات کیا بتاتے ہیں! تیس ہزار کی پُرجوش فوج کے ساتھ آپ دُشمن کی سرحد پر پہنچتے ہیں۔ مگر جب معلوم ہوتا ہے کہ آگے لڑنے کو کوئی تیار نہیں تو واپس آ جاتے ہیں۔ نہ کسی کو مُسلمان بناتے ہیں اور نہ کسی کے مُلک میں پیش قدمی کرتے ہیں +

حضرت ابو بکرؓ کا بے نظیر ایثار

ان جنگوں کی تیاری کے لئے روپیہ کی ضرورت تھی۔ کوئی خزانہ نہ تھا اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے جان نثاروں کو ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کی راہ میں جو کچھ میسر ہو خرچ کریں۔ حضرت ابو بکرؓ نے جو کچھ تھا آپ کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اہل وعیال کے لئے کیا چھوڑا ہے۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ "اللہ اور اُس کا رسُول" +

منافقین کے کرتوت

منافق وہ لوگ

تھے جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے
مگر در پردہ کافر تھے ان لوگوں کا سردار
عبد اللہ بن اُبی تھا۔ منافق مسلمانوں کو
ہر طرح نقصان پہنچانے کی کوششوں میں ہر
وقت لگے رہتے تھے۔ مسلمانوں میں آپس میں
پھوٹ ڈالتے۔ بیرونی دشمنوں کو مسلمانوں کی ہر
طرح کی خبریں پہنچاتے۔ جنگ کا موقع آتا تو
پہلے ساتھ شامل ہو جاتے مگر عین موقع پر
آپ کا ساتھ چھوڑ دیتے۔ اسلام پر استہزا کرتے
اور اسلام کے خلاف خفیہ منصوبے باندھتے
رہتے +

منافقوں سے آپ کا سلوک منافقوں کا انجام

باوجود ان کی شرارتوں کا علم ہونے کے آپ ان سے ہمیشہ نرمی کا سلوک کرتے
اور ان کے جرائم سے ہمیشہ درگذر فرماتے۔
غزوہ تبوک سے واپسی کے دو ماہ بعد عبد اللہ
بن ابی مرگیا اور منافقوں کا زور ٹوٹ گیا بہت

سے منافقوں پر اِسلام کا روحانی اثر بھی پڑا اور وہ سچے دل سے مُسلمان ہو گئے بعض جنہوں نے اپنا وتیرہ نہ چھوڑا ان کو رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسجد سے نکالدیا۔ اس طرح بحیثیت ایک جماعت کے منافق مٹ گئے کوئی اکادکا سوسائٹی میں موجُود رہا مگر کسی نے اُن کو مُسلمان ہونے پر مجبُور نہیں کیا +

عبرت۔ آپ نے عبد اللہ بن اُبیّ کا جنازہ پڑھا

جب عبد اللہ بن ابی جو منافقوں کا سر گروہ تھا مرگیا تو اُس کا بیٹا جو سچّا مُسلمان تھا۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے باپ کی طرف سے عرض کی کہ آپ اس کا جنازہ خود پڑھائیں اور کفن کے لئے اپنا کرتہ عنایت فرمادیں ۔ سب کو معلوم تھا کہ وہ دشمن اِسلام ہے۔ مگر چُونکہ وہ اپنے آپ کو مُسلمان کہتا تھا اِس لئے آپ نے اس کی عرض منظور فرمائی ۔ کُرتہ بھی دیا اور جنازہ بھی پڑھا۔ جب آپ جنازہ کے لیۓ جا رہے تھے

تو حضرت عمرؓ نے روک لیا اور کہا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اگر تم ستر دفعہ ان کے لئے استغفار کرو تو اللہ تعالیٰ ان کو معاف نہیں کرے گا"۔ آپ نے فرمایا "میں ستر دفعہ سے زیادہ کروں گا"۔

ثقیف ۔ یمن ۔ عمان اور بحرین کے وفد

سِ ۹ھ کے آخر اور سِ ۱۰ھ کے ابتدا میں اطراف عرب سے مختلف قبائل کے وفد آئے اور اسلام قبول کیا۔ بنی ثقیف نے مقابلہ کرکے دیکھ لیا تھا کہ وہ اب اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ آپس میں مشورہ کرکے وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اسلام اگر خدا کی طرف سے نہ ہوتا تو سارے عرب پر تنہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کس طرح غالب آجاتے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ اسلام قبول کر لینا چاہیئے۔ اس لئے انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک وفد بھیجا اور اسلام قبول کر لیا۔ یمن ۔ عمان ۔ بحرین کے لوگوں نے بھی یا خطوں کے ذریعہ یا وفد

بھیج کر اِسلام قبول کیا ۔

نجران کا عیسائی وفد۔ رسُول اللہ کی طرف سے مُباہلہ کا چیلنج

جو جو وفد آپ کی خِدمت میں حاضر ہُوئے اُن میں سب سے زیادہ مشہُور وفد نجران کے عیسائیوں کا ہے۔ اس وفد میں ستر آدمی تھے اور یہ لوگ رومن کیتھو لک مذہب کے تھے۔ بحث ہوئی۔ اُن کی ہٹ دھرمی پر آپ نے اُن کو مُباہلہ کا چیلنج دیا۔ مگر وفد کے سردار مباہلہ سے ڈر گئے۔ اور معاہدہ کرکے واپس چلے گئے ۔

عِبرت۔ عیسائی مسجد نبوی میں اترے اور وہیں عِبادت کی۔

یہ لوگ عیسائی تھے اور عیسائی بھی بُت پرست۔ باوجُود اِس کے آپ نے اُن کو مسجد نبوی میں اُتارا اور وہیں اُن کو عِبادت کرنے کی بھی اجازت دی ۔

اس کے بعد وفد پر وفد آنا شروع ہوا - اور

زمانۂ امن اور سارے عرب میں اشاعت اِسلام

چونکہ امن کا زمانہ تھا چند مہینوں میں اسلام سارے عرب میں پھیل گیا - گنتی کے یہودی اور عیسائی رہ گئے اور بعد میں وہ بھی حلقہ اِسلام میں داخل ہو گئے ٭

مقام غور ہے کہ ایک شخص تن تنہا بے یار و مددگار

نکتہ - آپ کی کامیابی آپکی سچائی کی دلیل

عرب جیسے وحشی مُلک میں اُٹھتا ہے - کل مُلک اُس کا جانی دشمن ہے - سب مِل کر اور تنہا بھی اُس کی بربادی کی کوشش کرتے ہیں اور اُس کی بات تک کسی کو سُننے نہیں دیتے - مگر یہ شخص اپنے کام میں لگا رہتا ہے یہاں تک کہ بیس اکیس سال کے عرصہ میں ملک میں ایک اِنقلاب پیدا کر دیتا ہے - مقامِ غور ہے کہ اِبتدا ہی سے یہ شخص کہتا چلا آتا ہے کہ میں دُنیا کا ہادی بنکر آیا

ہوں - اور میں اپنے مشن میں ضرور کامیاب ہو جاؤں گا - اس پر ایک قوم کی طرف سے برابر تئیس سال اس پیشگوئی کو باطل کرنے کی سر توڑ کوششیں ہوتی رہیں مگر یہ یقیناً سچی نکلنی ہے - پھر کیا اس شخص نے اپنی طاقت سے اس پیشگوئی کو پورا کر دیا؟ نہیں! اس کے پیچھے وہ طاقت تھی جس کے قبضۂ قدرت میں کائنات کی سب قوتیں ہیں +

مسلمانوں کی اطاعت شعاری کی مثال -

حضر موت کے دو سردار آپ کی خدمت میں اسلام لانے کے لئے حاضر ہوئے - یہ ریشمی لباس پہنے ہوئے تھے - چونکہ اسلام میں مردوں کے لئے ریشم پہننا ممنوع ہے آپنے اُنسے کہا کہ یہ ریشمی لباس اُتار دو - انھوں نے وہ لباس فوراً اُتار دیا +

قیام سلطنت سلطنت کا سادہ انتظام

جب سب عرب مسلمان ہو گیا تو اس ملک میں اسلام کی ایک سلطنت قائم ہوگئی جس کے بادشاہ حضرت

رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے۔ آپ نے
اس وسیع سلطنت کے انتظام کے لئے عمّال
مقرر کئے۔ زکوٰۃ اور جزیہ کی وصولی کے لئے
محصّل مقرر کئے۔ مقدمات کے فیصلہ کے
لئے قاضی اور مفتی مقرر کئے۔ اور اِس طرح
نہایت سادہ طریق میں اِس سلطنت کا آپ
کی وفات تک انتظام ہوتا رہا۔ حاکم جو مقرر
کئے جاتے تھے اُن کا فرض صِرف یہی نہیں
ہوتا تھا کہ ملکی انتظام اور مُقدّمات کا
انفصال کریں۔ بلکہ وہ لوگوں کی مذہبی اور
اخلاقی تعلیم و ترتیب کے بھی ذمّہ دار ہوتے
تھے۔ تقرر سے پہلے آپ ان لوگوں کی عِلمی
قابلیت اور واقفیّت دین کا امتحان کر لیا
کرتے تھے۔ جو لوگ عامِل بننے کے خواہشمند
ہوتے تھے آپ ان کو ہرگز عامِل مقرر نہیں
کرتے تھے۔

نکتہ۔ آپ محصّلین کا محاسبہ فرماتے

محصّل جب اپنے دورہ سے واپس آتے تو آپ ان کا محاسبہ

کرتے۔ ایک دفعہ ایک محصّل نے آکر تحصیل کردہ مال پیش کیا اور کہا "یہ حکومت کا مال ہے اور یہ مجھے ہدیہ ملا ہے۔" آپ نے فرمایا "تم کو گھر بیٹھے یہ ہدیہ کیوں نہ ملا؟"

حجۃ الوداع

ہجرت کے بعد آپ نے حج نہیں کیا تھا۔ اب جبکہ تبلیغ اسلام کی تکمیل ہو چکی اور جنگیں بند ہوگئیں تو آپ نے حج کا ارادہ فرمایا۔ اِس حج کو حجۃ الوداع کہتے ہیں اِس لئے کہ آپ کا یہ آخری حج تھا۔ بے شمار مُسلمان ہمرکاب تھے۔ نو دن میں مکہّ پہنچے۔ فریضہ حج ادا کرنے کے بعد آپ نے جو خطبہ دیا اِس کا ماحصل یہ ہے:۔

خطبہ حجۃ الوداع اسلام کی تعلیم کا نچوڑ

"ہاں۔ جاہلیت کے تمام دستور میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم خاک سے بنے تھے۔ مُسلمان باہم بھائی بھائی

ہیں۔ تمہارے غلام! جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ جو خود پہنو وہی اُن کو پہناؤ۔ جاہلیت کے تمام خون باطل کردئے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون باطل کرتا ہوں۔ جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کردئے گئے اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا سُود باطل کرتا ہوں۔ عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو۔ تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔ تمہارا خون اور تمہارا مال تا قیامت اسی طرح حرام ہے جس طرح یہ دن یہ شہر اور یہ مہینہ حرام ہے۔ مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے۔ باپ کے جُرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں۔ اور بیٹے کے جرم کا جوابدہ باپ نہیں۔ اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔ پانچ وقت کی نماز پڑھو۔ مہینے کے روزے رکھو۔ اور میرے احکام کی اطاعت کرو۔ میں تم میں ایک چیز چھوڑے جاتا ہوں۔ اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو تم گمراہ نہ ہوگے۔ وہ چیز کتاب اللہ ہے"۔

جب آپ خُطبہ دے رہے تھے تو یہ

آیت نازل ہوئی اَلْیَوْمَ - اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الخ
اسلام نے دنیا میں جس قدر عظیم الشان اصلاحات کیں۔ اس خطبہ میں مختصراً ان کا ذکر ہے ؞

رسول اللہ کی بے نظیر سادگی

حج کے موقعہ پر لاکھوں مسلمانوں کا مجمع تھا جن میں سے ہر ایک اپنا جان ومال سب کچھ آپ کے قدموں پر نثار کرنا اپنے لئے سب سے بڑی سعادت سمجھتا تھا۔ مگر اتنا بڑا عظیم الشان انسان جس اونٹ پر بیٹھا ہوا اس سارے مجمع کو خطاب کر رہا تھا اِس کے کجاوہ کی قیمت ایک روپیہ سے بڑھ کر نہ تھی ؞

حج کے مراسم ادا کرنے کے بعد آپ نے مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی ؞

وفات۔ ربیع الاوّل سنہ ۱۱

آخری مرض

جب دین کی تکمیل ہو چکی تو آپ کے دُنیا میں رہنے کی اب ضرورت نہ تھی۔ جب آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ...... الخ اُتری اُسی وقت آپ نے سمجھا کہ میری وفات قریب ہے۔ چنانچہ آپ جب حج کے مسائل لوگوں کو سمجھا رہے تھے تو آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ مجھے اُمید نہیں کہ اگلے سال میں تم سے مِل سکوں۔ ایک روز آپ آدھی رات کو جنّت البقیع میں جو عام مسلمانوں کا قبرستان تھا تشریف لے گئے۔ جب واپس آئے۔ تو طبیعت خراب ہو گئی۔ پھر مرض میں شدّت ہوئی۔ ضُعف یہاں تک بڑھ گیا کہ چلا نہیں جاتا تھا۔ جب تک طاقت رہی نماز کے لئے مسجد میں تشریف لاتے رہے۔ لیکن جب ضعف حد سے بڑھ گیا تو آپ نے حضرت ابو بکرؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا؛

مسجد میں آخری نماز

ایک روز آپ کی تکلیف میں افاقہ ہؤا تو حضرت علی اور حضرت عباس آپ کو تھام کر مسجد میں لائے۔ آپ نے حضرت ابوبکر کے پہلو میں بیٹھ کر نماز ادا کی اور اُس کے بعد ایک خطبہ دیا جو آپ کا آخری خطبہ ہے ؛

آخری خطبہ

"پہلی قوموں نے اپنے پیغمبروں اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا ہے۔ میں منع کرتا ہوں کہ تم ایسا نہ کرنا۔ حلال اور حرام کی نسبت میری طرف نہ کی جاوے۔ میں نے وہی چیز حلال کی ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کی ہے اور وہی چیز حرام کرتا ہوں جو خدا نے حرام کی ہے۔ اے پیغمبر خُدا کی بیٹی فاطمہ اور اے پیغمبر خدا کی پھوپھی صفیہ۔ خُدا کے ہاں کے لئے کچھ کر لو۔ میں تمہیں خُدا سے نہیں بچا سکتا" ؛

روپیہ پیسہ کے متعلق آپ کا طرزِ عمل

اسکے بعد مرض

کی شدت ہوگئی۔ اسی حالت میں یاد آ گیا کہ حضرت عائشہ کے پاس کچھ اشرفیاں رکھوائی تھیں۔ حکم دیا کہ وہ اشرفیاں فوراً خدا کی راہ میں خیرات کر دی جائیں۔ جس روز وفات ہوئی اس روز بظاہر طبیعت اچھی تھی۔ چونکہ آپ کا رہایش کا کمرہ مسجد میں کھلتا تھا آپ نے پردہ اُٹھا کر دیکھا تو لوگ نماز فجر میں مشغول تھے۔ نہایت خوش ہوئے اور ہنس پڑے۔ اس کے بعد صحابہ کو دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ کمزوری اور بے چینی بڑھتی جاتی تھی۔ اس حالت میں زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلتے رہے مع الذین انعم اللہ علیھم اور کبھی یہ فرماتے اللھم فی الرفیق الاعلیٰ۔

آپ کی نظافت پسندی

وفات سے کچھ دیر پہلے آپ نے ابوبکر کے صاحبزادے عبد الرحمٰن کے ہاتھ میں مسواک دیکھی۔ آپ نے مسواک کی طرف اس طرح دیکھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ مسواک کرنا

چاہتے ہیں:۔ اُنھوں نے مسواک دانتوں بیں نرم کر کے پیش کی اور آپ نے بالکل تندرستوں کی طرح مسواک کی ؟

آخری الفاظ

اب وقت قریب آگیا۔ ایک دفعہ ہونٹ ہلے تو یہ الفاظ سُنے گئے "نماز اور غلام" بے چینی بہت تھی کہ اچانک اُنگلی سے اشارہ کیا اور تین دفعہ فرمایا" بل الرفیق الاعلےٰ" یہی کہتے کہتے روح اس رفیق اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی۔ دو شنبہ کا دِن۔ بارہویں ربیع الاوّل تھی۔ آپ کی عمر ۶۳ سال کی تھی ؟

صحابہ پر وفات کا اثر

جب آپ کی وفات کی خبر مشہور ہوئی تو ایک کہرام مچ گیا۔ حضرت عمر تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے کہ جو یہ کہے گا کہ آنحضرت فوت ہو گئے ہیں اس کا سر قلم کر دُوں گا۔ آخر حضرت ابو بکر تشریف لائے اور اُنھوں نے قرآن کی آیات سے لوگوں کو سمجھایا کہ آپ واقعی وفات پا گئے

ہیں تو پھر لوگوں کو یقین آیا ؂

آپ کا کفن دفن آپ کا جسد مبارک حضرت عائشہ کے حجرہ میں دفن کیا گیا۔ میدان میں اِس لئے دفن نہ کیا گیا کہ لوگ محبّت کے جوش میں آپ کی قبر کو عبادت گاہ نہ بنا لیں ؂

آپ کا ترکہ آپ نے وفات کے بعد اپنے پیچھے جو کچھ چھوڑا وہ یہ تھا۔ ایک سفید خچر اور کچھ ہتھیار۔ تھوڑی سی زمین تھی جو آپ نے تمام مُسلمانوں پر صدقہ کر دی ؂

اخلاق و عادات

آپ کو اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں اِس لئے بھیجا کہ آپ کے نقش قدم پر چل کر انسان با خدا انسان بن جاویں۔ لَكُمْ فِي رَسُوْلُ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ۔ آپ کامل انسان تھے اِس لِئے آپ کی زندگی میں ہر شخص

کے لئے خواہ وہ کسی حیثیت کا ہو کامل نمونہ ہے۔ آپ ہر نیک صفت سے کامل طور پر متصف تھے اور آپ کے وجود میں کسی قسم کی بدی کا شائبہ تک نہ تھا۔ آپ کے اخلاق کی بلندی اور وسعت پر خدا تعالےٰ کی شہادت موجود ہے۔ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ؀

انسانوں میں سے اُن لوگوں کی شہادت موجود ہے جن سے آپ کی کوئی بات مخفی نہ تھی۔ جب دُنیا کی ہدایت کا کام آپ کے سپُرد کیا گیا اور بتقاضائے بشریّت آپ اس کام کی اہمیّت سے ڈرے تو حضرت خدیجہ نے آپ کو خطاب کرکے فرمایا۔ ”خدا کی قسم خدا آپ کو کبھی نہیں چھوڑے گا۔ آپ صلہ رحم کرتے ہیں۔ مقروض کا بوجھ اُٹھاتے ہیں۔ غریب کی اعانت کرتے ہیں۔ مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں۔ حق کی حمایت کرتے ہیں اور مُصیبت میں لوگوں کے کام آتے ہیں“۔

حضرت عائشہ سے جب کہا گیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم کے اخلاق بیان کرو تو اُنھوں نے فرمایا کہ "قرآن مجید جن اخلاق کی تعلیم دیتا ہے وہ سب کامل طور پر آپ میں موجود تھے"۔ آپؐ کے اخلاق کا مفصّل بیان دریا کو کوزہ میں بند کرنا ہے مگر چونکہ اس مختصر کتاب کی غرض و غایت یہی ہے کہ پڑھنے والے کے سامنے آپ کے اخلاق کا نمونہ پیش کیا جاوے۔ اس لئے میں چند موٹی موٹی باتیں بیان کرتا ہوں ؏

ذاتی اخلاق

کمال ایمان آپ کو توحید اور معرفت الٰہی سے طبعی مناسبت تھی۔ اسی وجہ سے جب آپ کی معرفت ایک خاص مقام تک پہنچی تو آپ کو منصب رسالت پر سرفراز فرمایا گیا۔ اللہ تعالےٰ کی محبت اور

شرک ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ اِس لئے
آپ نبوّت سے پہلے بھی شرک کی آلودگی سے
قطعًا پاک تھے۔ آپ کبھی کسی مُشرکانہ رسم
میں شامل نہیں ہوئے حتّیٰ کہ جن کھانوں
پر بتّوں کے نام لیئے جاتے تھے آپ نے
وہ کھانا تک بھی نہیں کھایا۔ مشرک توہّم
پرست ضرور ہوتا ہے۔ چونکہ آپ عارف موحد
تھے اس لئے آپ توہم پرستی سے بالکل
پاک تھے۔ جب آپ کا صاحبزادہ ابراہیم فوت
ہؤا تو اتفاق سے اُسی روز سُورج کو گرہن
لگا۔ لوگوں نے اس گرہن کو بچے کی وفات
کی طرف منسُوب کیا۔ مگر رسول اللہ صلّے
اللہ علیہ و سلم نے غلط فہمی کو فورًا دُور
کر دیا اور فرمایا کہ "یہ گرہن وغیرہ اللہ تعالیٰ
کی قدُرت کی نشانیاں ہیں۔ ان کو اِنسان
کے حالات سے قطعًا کوئی تعلّق نہیں" آپ
نہ بد رُوحوں کے قائل تھے نہ فال نکالتے
تھے نہ شگون لیتے تھے۔ چونکہ آپ صِرف
اللہ تعالےٰ ہی کو حقیقی مؤثر مانتے تھے۔

اِس لِئے بیماریوں کے لِئے کوئی گنڈا تعویذ وغیرہ نہیں کرتے تھے اور نہ ان کو کسی غیر اللہ کی طرف منسُوب کرتے تھے ؛

عبادت چونکہ آپ معرفت کے انتہائی مقام پر پہنچے ہُوئے تھے اِس لئے آپ دوسرے لوگوں سے بہت زیادہ عبادت کرتے تھے۔ راتوں کو عبادت میں اتنی اتنی دیر کھڑے رہتے کہ پاؤں سُوج جاتے۔ آپ کی زیادتی عبادت پر اگر کوئی سوال کیا جاتا تو آپ فرماتے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کے سب لوگوں سے زیادہ احسان ہیں۔ کیا میرے لئے مناسب نہیں۔ کہ میں شکر گذار بندہ بنوں ؟ آپ کو چونکہ کامل معرفت اور ایمان عطا ہوا تھا۔ اِس لِئے آپ اپنی سب حاجتیں اللہ تعالیٰ ہی سے مانگتے تھے۔ ہر حالت میں دُعا آپ کا معمُول تھا۔ اگر آپ کی خواہشات اور آرزؤں کا پتہ لگانا ہو تو آپ کی دُعاؤں کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ رمضان کے مہینے میں آپ اور زیادہ عبادت کرتے۔ آخری دس دنوں میں

رات بھر بیدار رہتے۔ عموماً سارا وقت مسجد ہی میں یاد الٰہی میں مصروف رہتے۔ کبھی کبھی راتوں کو اُٹھ کر آپ قبرستان میں چلے جاتے خدا کے حضور میں گڑ گڑاتے اور دُعائیں مانگتے رمضان کے روزہ کے علاوہ آپ سال کے اکثر ایام میں روزہ رکھتے تھے۔ بعض اوقات کئی کئی دن تک روزہ افطار نہ فرماتے۔ معیّن عبادت کے علاوہ بھی آپ ہر وقت خدا کی یاد میں مصرُوف رہتے تھے۔ میدان جنگ میں بھی دعاء اور یاد الٰہی سے غافل نہ ہوتے اور چونکہ آپ کا بھروسہ صرف خداوند عالم پر تھا نہ کہ اپنے اور اپنے رفیقوں کے زور بازو پر اِس لیئے آپ اس موقعہ پر خاص طور سے خشوُع و خضوُع کے ساتھ دعائیں مانگتے۔ سخت سے سخت جنگوں میں بھی آپ کی نماز کبھی قضا نہیں ہوئی۔ غزوہ حنین میں آپ تقریبًا تنہا رہ گئے تھے۔ اس وقت جبکہ تیر مینہ کی طرح برس رہے

تھے آپ کا رُوئے نیاز اُسی قادر مطلق کی طرف تھا۔ ایک اور غزوہ میں دُشمن سامنے حملہ کے لئے تیار کھڑے ہیں اور موقعہ کی تاک میں ہیں۔ نماز کا وقت آ جاتا ہے اور آپ کچھ صحابہ کے ساتھ بلا تردّد نماز کو کھڑے ہو جاتے ہیں اور باقی صحابہ دشمنوں کی روک کے لئے ڈٹ جاتے ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ "میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے" ؂

عزم و اِستقلال

اپنی تئیس سالہ نبوّت کی زندگی میں جس عزم و اِستقلال کا ثبوت آپ نے دیا اِنسانی تاریخ میں اِس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے ماتحت آپ نے ساری دُنیا کی اِصلاح کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ اِنسانوں کی اِصلاح سے بڑھ کر اور کوئی مشکل کام نہیں۔ پہاڑ کاٹنا آسان ہے لیکن اِنسانوں کے خیالات ان کی طرزِ معاشرت اور ان کے عقائد کو بدل دینا دُشوار۔ اِس اصلاح کے

راستہ میں صدیوں کے تعصبات اور صدیوں کی جہالت روکیں سخت رکاوٹ ہیں۔جن کی اصلاح مطلوب ہے وہ سب کے سب دشمن جان ہو جاتے ہیں۔ ہر قسم کا دُکھ دیتے ہیں۔جب دُکھ دینے سے بھی کام نہیں چلتا تو طمع دیتے ہیں۔مگر کیا آپ کے عزم و استقلال میں ذرّہ برابر بھی فرق آتا ہے؟ ہرگز نہیں! تئیس برس برابر ناکامیوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ آپ کے قوت بازو حمزہ شہید ہوتے ہیں مونس و غمخوار بی بی وفات پاتی ہیں۔ سب سے بڑے حامی چچا دُنیا سے رُخصت ہو جاتے ہیں مگر آپ کے ثبات قدم میں سرمو لغزش نہیں آتی۔بعض غزووں میں دوستوں کے قدم اُکھڑ جاتے ہیں۔لیکن آپ اپنی جگہ سے نہیں ہلتے۔اِتنی بڑی نصیحت بالکل بے اثر رہتی ہے۔مگر اپنے اُصولوں سے آپ ذرا بھی اِدہر اودہر نہیں ہٹتے؎

شجاعت

آپ کی طبیعت میں سوائے خدا کے اور کسی کا ڈر نہیں تھا

جنگوں میں جب بڑے بڑے دلیروں کے پاؤں اُکھڑ جاتے تھے اور آپ بعض اوقات تقریباً اکیلے رہ جاتے تھے پھر بھی آپ اپنی جگہ سے نہیں ٹلتے تھے۔ جب گھمسان کی لڑائی ہوتی تھی تو آپ اپنی فوج میں پیش پیش ہوتے تھے۔ چونکہ دشمن کا مدینہ میں ہر وقت خطرہ لگا رہتا تھا ایک دفعہ شور اُٹھا کہ دشمن آ گئے۔ آپ تن تنہا گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر دشمن کا پتہ لینے کے لئے نکل گئے۔ اور جب کہیں دشمن نظر نہ آیا تو آپ نے واپس آ کر لوگوں کو تسلی دی۔ مکّہ سے آپ نے اپنے دوستوں کو رخصت کر دیا اور خود تقریباً اکیلے وہاں رہے۔ ایک دفعہ آپ ایک درخت کے نیچے سوئے ہوئے تھے۔ ایک دشمن آیا اور تلوار کھینچکر سر پر کھڑا ہو گیا۔ آپ جاگ اُٹھے۔ آپ کو بے بس دیکھ کر وہ پکارا "محمد! (صلے اللہ علیہ وسلم) تجھ کو اب مجھ سے کون بچا سکتا ہے"۔ آپ نے بجائے اس کے کہ

اُس وقت بھاگ جاتے بلا تامل جواب دیا۔ "اللہ" اِس کا دشمن پر اتنا رُعب پڑا کہ تلوار اُس کے ہاتھ سے چھُوٹ کر گر پڑی۔ تیرہ برس آپ قاتل دشمنوں کے نرغہ میں رہے۔ مگر خدا کا کلام سُنانے کے لئے بے دھڑک ان دشمنوں کے مجمعوں میں گھُس جاتے اور کلام سُنا کر ہی ہٹتے۔ آپ کی کامیابی کا راز آپ کی عزم و استقامت اور شجاعت میں مضمر تھا۔

اخلاقی جرأت

بعض لوگ دشمن کے مقابل میں بڑے بہادر ہوتے ہیں موت سے بالکل نہیں ڈرتے۔ مگر ان میں اخلاقی جرأت نام کو نہیں ہوتی۔ طعن و تشنیع سے ڈرتے ہیں۔ لوگوں کی ملامت سے کانپ اُٹھتے ہیں اور سچی بات زبان سے نہیں نکال سکتے۔ بُرے دستوروں اور پُرانی رسُومات کے آگے جُھک جاتے ہیں۔ اِصلاح اِس لئے نہیں کر سکتے کہ بزرگوں کے مسلک سے ہٹنا پڑتا ہے۔ بدی کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

سبب یہ ہوتا ہے۔ کہ اُن میں اخلاقی جرأت نہیں ہوتی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی اخلاقی جرأت کا ایک بے نظیر نمونہ تھی۔ قریش کی انتہائی ایذا دہی نے بھی آپ کو تبلیغ حق سے نہ روکا۔ اُن کے طمع دلانے نے کہ آپ کو بادشاہ بنا لیتے ہیں۔ بے انداز دولت دینے کو تیار ہیں اور خوبصورت سے خوبصورت عورت سے شادی کرائے دیتے ہیں آپ کے اِصلاح کے عزم میں ذرا بھی لغزش پیدا نہ کی۔ بے انداز دولت آپ کے پاس آئی گر عیش و عشرت کی فطرتی خواہش کا جس طرح آپ نے مقابلہ کیا اس کی مثال اِنسان کی تاریخ میں ملنی محال ہے ؎

سادگی اور زہد

حقیقی بڑائی اور سادگی ہمیشہ اکٹھی ہوتی ہیں۔ تکلف جھوٹ ہوتا ہے اس لیئے بڑے آدمی اس سے گریز کرتے ہیں۔ آپ اکثر اپنے ذاتی کام اپنے ہاتھ سے کیا کرتے تھے۔ مثلاً

پھٹے کپڑوں میں خود پیوند لگا لیتے تھے۔ گھر میں خود جھاڑو دیتے تھے۔ جانوروں کا دُودھ دوہ لیتے تھے۔ بازار سے خود سودا لے آیا کرتے تھے۔ جُوتا پھٹ جاتا تو خُود گانٹھ لیتے اُونٹ کو اپنے ہاتھ سے چارا دیتے۔ غلام کے ساتھ مِل کر آٹا گوندھتے۔ جنگوں کے موقعہ پر دُوسرے مجاہدین کی طرح خود بھی کام کرتے۔ غزوۂ خندق کے موقعہ پر خُود خندق کھودنے میں مدد دی۔ ایک سفر میں بکری ذبح کی گئی تو آپ اس کے پکانے کے لئے لکڑیاں جمع کر کے لائے۔ جب صحابہ نے اس سے روکنا چاہا تو آپ نے فرمایا کہ میں اِمتیاز کو پسند نہیں کرتا۔ مکان خود مرمّت کرتے ؂

لوگ شرافت اور رذالت کا معیار پیشہ کو ٹھیراتے ہیں اور عام طور پر اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو ذلت سمجھتے ہیں۔ آپ نے اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دیا کہ کوئی جائز کام ذِلّت نہیں اور نہ اپنے ہاتھ سے

کام کرنے والے ذلیل ہو سکتے ہیں ؀

آپ نہ صرف اپنے کام آپ کرتے بلکہ دُوسروں کے کام بھی اِسی بے تکلفی سے کر دیتے۔ اپنے مہمانوں کی مِہمان نوازی خود بہ نفسِ نفیس کرتے۔ لونڈیوں کا کام بھی کر دینے میں تامل نہ فرماتے۔ ایک دفعہ ایک بدو آیا اور آپ کا دامن پکڑ کر بولا۔ "میرا ذرا سا کام رہ گیا ہے آپ اُسے کر دیں ایسا نہ ہو کہ میں بھُول جاؤں"۔ آپ نے پہلے اُس کا کام کر دیا اور پھر نماز ادا کی۔ بیواؤں کو اکثر آپ پانی اور لکڑی اپنے سر پر اُٹھا کر لا دیتے تھے ؀

آرایش سے آپ طبعًا بیزار تھے۔ مکان کی آرایش کے لئے لوگ دیواروں پر پردے لٹکا دیتے ہیں۔ آپ اگر کسی کی دیوار پر پردہ دیکھتے تو فرماتے کہ

"خدا نے ہم کو اینٹ پتھر ڈھانکنے کے لئے رِزق نہیں دیا ہے" ؀

آپ اکثر بھیڑ کے بالوں سے بنے ہُوئے

کپڑے پہنتے۔ آپ کا بستر کمل کا تھا۔ ایک دفعہ ایک بی بی نے کپڑے کا بستر چار تہ کر کے بچھا دیا کہ نرم ہو جائے۔ آپ نے اُس کو نا پسند فرمایا۔ آپ کے گھر کا سامان یہ تھا:۔ ایک چار پائی۔ ایک تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری تھی۔ ایک کونے میں ایک جانور کی کھال اور کچھ مشکیزہ کی کھالیں:۔ آپ کے ہاں کپڑے کے ایک جوڑے سے زیادہ کبھی نہیں ہوتا تھا۔ دو دو مہینے گھر آگ نہیں جلتی تھی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ نے ساری عمر کبھی دو وقت سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا۔ اکثر بھوک کے سبب آپ کی آواز کمزور ہو جاتی۔ اکثر بھوک کے سبب پیٹ پر پتھر باندھ رکھتے آخر سب کچھ میسّر ہوتے ہوئے دنیا کی لذات سے اِس قدر اِجتناب کیوں؟ صرف اِس لِئے کہ آپ رُوحانی لذات کے نشہ میں سرشار رہتے تھے ٭

بے تکلفی | آپ کی ساری حرکات

سکنات میں بے تکلفی تھی۔ مجلس میں بیٹھتے تو اپنے لئے کوئی امتیازی جگہ نہ ہوتی۔ اکثر ناواقف باہر سے آتے تو اُن کو پوچھنا پڑتا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کون ہیں۔ آپ کبھی کسی مجلس سے اُٹھ کر گھر جاتے تو کبھی کبھی ننگے پاؤں چلے جاتے۔ کھانے میں کوئی تکلف نہ تھا۔ جو سامنے آگیا کھا لیا۔ آپ کے لئے کبھی روٹی تیار ہوتی تو بن چھنے آٹے کی ہوتی۔ یہ سب کچھ ایسے حالات میں تھا جب آپ بادشاہوں سے زیادہ پُر تکلف کھانے کھا سکتے تھے۔ کپڑے میں بھی بے تکلفی کا یہی عالم تھا۔ جیسا مل جاتا پہن لیتے ننگی زمین پر بھی سو جاتے ؎

تواضع

باوجودیکہ آپ کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے اتنا عظیم الشان رتبہ عطا ہوا تھا مگر پھر بھی آپ کو غلاموں اور مسکینوں کے ساتھ کھانا کھانے سے عار نہ تھی۔ اگر لوگ کبھی آپ کی تعظیم کو اُٹھ کھڑے ہوتے تو آپ اس سے منع فرماتے کہ

یہ عجمیوں کا طریق ہے۔ آپ کے صحابہ جب کوئی کام کرنے لگتے تو آپ خود اُس میں شریک ہو جاتے۔ اور جب صحابہ آپ کو اُس سے روکنا چاہتے تو آپ فرماتے کہ میں اپنے آپ کو ممتاز کرنا نہیں چاہتا ؏

آپ کسی مجمع میں جاتے تو جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے۔ ایک دفعہ ایک شخص آپ کا ہاتھ چومنے کے لئے بڑھا۔ آپ نے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا لیا اور فرمایا کہ "یہ عجمیوں کا طریق ہے" ؏

ایک دفعہ کسی شخص نے آپ کے متعلق بڑی تعظیم کے الفاظ استعمال کئے تو آپ نے منع فرمایا۔ اور کہا کہ جو مرتبہ مجھے اللہ نے بخشا ہے اِس سے نہ بڑھاؤ ؏

آپ غریبوں کی بیمار پرسی کو جاتے اور فقرا کے پاس جا کر ان کے درمیان بے تکلّف بیٹھ جاتے۔ ایک دفعہ ایک دیوانی عورت آپ کے پاس آئی اور اُس نے کہا کہ "محمدؐ! (صلے اللہ علیہ وسلم) مجھ کو تجھ سے کچھ کام

ہے" آپ اُس کے ساتھ اُٹھ کر چل پڑے۔
وہ ایک کوچہ میں جا کر بیٹھ گئی۔ آپ بھی
وُہیں بیٹھ گئے اور اس کا کام کر دیا۔ مکہ کی
فتح کے بعد جب آپ شہر میں داخل ہُوئے
تو سر کو اتنا جُھکا دیا کہ کجاوہ کے ساتھ لگ
گیا۔ آپ اپنی تعریف میں مبالغہ سخت ناپسند
کرتے تھے اِس لیئے کہ یہ شرک کا پیش خیمہ
ہے۔ ایک شخص نے باتوں میں ایک دفعہ کہہ
دیا کہ "جو خدا چاہے اور آپ چاہیں" اس پر
آپ نے فرمایا "تم مجھے خدا کا ہمسر ٹھیراتے
ہو کہو کہ جو خدا چاہے" ایک دفعہ آپ ایک
شادی کے موقعہ پر موجُود تھے۔ لڑکیوں نے
گاتے گاتے یہ مصرعہ پڑھ دیا "ہم میں ایک
ایسا پیغمبر ہے جو کل کی باتیں جانتا ہے" آپ
نے اُن کو اس سے روک دیا ؂

صبر آپ کو اپنی نبوّت کے فرائض کے
ادا کرنے میں جس قدر آلام و مصائب
کا سامنا کرنا پڑا اس کی مثال دُنیا کی تاریخ
چھان مارو کہیں نہ پاؤ گے۔ جب آپ تبلیغ

شروع کرتے ہیں تو پہلے آپ کی تحقیر کی جاتی پھر مذاق اُڑایا جاتا۔ اس سے گزر کر گالی گلوچ اور طعن تشنیع کی جاتی۔ پھر جسمانی دُکھ دیئے جاتے جن کا سلسلہ برابر کئی برس تک جاری رہتا۔ ان تمام مصائب میں آپ کے منہ سے ایک دفعہ بھی کلمہ شکایت نہیں نکلا۔ نہ آپ نے موذی دشمنوں کو کبھی بُرا کہا اور نہ کبھی اُن کے حق میں بد دُعا کی۔ ان سب بد سلوکیوں نے آپ کی طبیعت کی شیرینی کو ذرا بھی کم نہیں کیا۔ اور نہ آپ میں رتی بھر تلخی پیدا ہوئی۔ بلکہ آپ نے سب دُکھوں کو خندہ پیشانی اور کشادہ دلی سے برداشت کیا۔ بچپن سے لیکر وفات تک آپ پر خانگی مصائب بھی اتنے پڑے کہ بہت کم آدمیوں پر ایسے پڑتے ہیں۔ پیدائش سے پہلے والد نے انتقال کیا۔ ابھی آپ چھ ہی برس کے تھے کہ ماں بھی چل بسیں۔ اس کے بعد دادا نے جو آپ کے سر پرست تھے داغ مفارقت دیا۔ جب آپ

دشمنوں کے نرغہ میں تھے تو ابو طالب اور خدیجہؓ
نے جو آپ کے لئے بڑی تقویت کا موجب
تھے وفات پائی۔ اقارب میں سے حضرت حمزہؓ
اور حضرت جعفرؓ کی شہادت واقع ہوئی۔
آپ کے سب بچے سوائے حضرت فاطمہؓ کے
آپ کی آنکھوں کے سامنے فوت ہوئے۔
ایسے واقعات پر بعض اوقات آپ کی
آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ مگر صبر
کا سررشتہ کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹتا۔ نہ کبھی
آپ کے مُنہ سے کوئی ایسا کلمہ نِکلا جس
سے اللہ تعالٰے کی شکایت پائی جائے۔ اور
نہ کبھی آپ کی طبیعت میں بد مزاجی یا
تلخی پیدا ہوئی ۔ کسی دنیا دار کا کوئی عزیز
فوت ہو جائے تو زمین پر لوٹتا ہے۔ سر
پر مٹی ڈالتا ہے۔ کپڑے پھاڑتا اور بال
نوچتا ہے۔ مگر ایسے واقعات پر آپ کی
زبان سے یہی نِکلتا کہ "ہم اللہ ہی کے
ہیں اور اللہ ہی کی طرف واپس جانے والے
ہیں" ۔

توکّل

مصیبتوں کے پہاڑ آپ کے سامنے تھے۔ آپ ہر وقت وحشی اور خونخوار دشمنوں کے نرغہ میں رہتے تھے۔ بعض اوقات موت اِس قدر قریب ہوتی تھی کہ ساتھ والے سمجھتے تھے کہ اب خیر نہیں۔ لیکن چونکہ آپ کو اپنے مِشن کی صداقت کا کامل یقین تھا اور آپ کو اللہ تعالےٰ کے وعدوں پر کامل اِعتماد تھا اس واسطے آپ نے توکّل کے دامن کو کبھی ہاتھ سے نہ دیا۔ غار ثور میں ابو بکر جیسا قوی القلب انسان سہم جاتا ہے مگر آپ فرماتے ہیں۔ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ آپ درخت کے سائے کے نیچے سوتے ہیں۔ ایک دشمن تلوار سونت کر سر پر آ کھڑا ہوتا ہے۔ آپ اچانک بیدار ہو جاتے ہیں۔ وہ پوچھتا ہے۔ "اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اب مجھ سے تجھ کو کون بچا سکتا ہے"۔ آپ پر اس کا کوئی رُعب نہیں پڑتا۔ آپ بلند آواز میں پکارتے ہیں "اللہ"۔ بعض جنگوں میں صحابہ

کے پاؤں اُکھڑ جاتے ہیں اور آپ تقریباً تنہا
رہ جاتے ہیں۔ مگر آپ اپنی جگہ پر پہاڑ کی
طرح کھڑے ہیں۔ ابو طالب دشمنوں کی قوت
اور اُن کے ارادوں کی مضبوطی سے ڈر کر
آپ کو اپنے کام سے روکنے کی کوشش کرتا
ہے۔ مگر آپ فرماتے ہیں۔ کہ "گو میں اکیلا ہوں
مگر عنقریب وہ وقت آئیگا کہ یہ دین کامل
ہو جائے گا۔ میرے دشمن نا مراد رہیں گے۔
اور میں کامیاب ہو جاؤنگا" یہی یقین اور
یہی توکل آپ کی ساری زندگی میں نظر آتا
ہے۔ اور مایوسی جو یقین کے نہ ہونے سے
پیدا ہوتی ہے کبھی بھی آپ کے دل پر
طاری نہیں ہوتی۔ بعض لوگ توکل کے یہ
معنی سمجھتے ہیں کہ آدمی ہاتھ پر ہاتھ دھر کے
بیٹھ رہے اور سب کچھ خدا پر چھوڑ دے
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی
میں ایسے توکل کی کوئی مثال نہیں۔ آپ
سب مادی وسائل کو پُورے طور پر مہیا
کرتے تھے جو کسی کام کے لئے ضروری ہوتے

اس کے بعد اللہ تعالےٰ سے بکثرت دُعا مانگتے۔ مگر آخری کامیابی کے لئے بھروسہ صرف خدا کی ذات پر ہوتا۔ اور مادی وسائل کے مؤثر بنانے کے لئے خدا ہی طرف رجوع کرتے تھے ؎

صفائی اور نظافت پسندی

آپ ہر وقت صاف اور ستھرے رہا کرتے تھے۔ مکان میں فضول آرایش کو سخت ناپسند فرماتے۔ لیکن مکان کو صاف اور ستھرا رکھنا نہایت ضروری تصوّر فرماتے دانتوں اور مُنہ کو صاف رکھنے کے لئے مِسواک کرتے۔ مِسواک ہر وقت سرہانے پڑی رہتی۔ حالت نزع میں ایک شخص کے ہاتھ میں مسواک دیکھی تو اس کی طرف اس طرح دیکھا کہ اس نے سمجھا کہ آپ مِسواک کرنا چاہتے ہیں۔ مِسواک آپ کے مُنہ میں دی گئی اور آپ نے اس سے مُنہ صاف کیا۔ بالوں میں کنگھی کرتے۔ شیشہ بھی دیکھتے کہ چہرہ پر کِسی طرح

کا داغ نہ ہو۔ آپ کو خوشبو سے بڑی محبت
تھی۔ اکثر خوشبو اور عِطر وغیرہ اِستعمال فرماتے
آپ کی طبیعت میں نفاست پسندی بہت تھی
کسی شخص کو میلے کپڑے پہنے دیکھتے تو
نا پسند فرماتے اور اُسے حُکم دیتے کہ کپڑے
دھو لیا کرو۔ لوگوں کو مکانوں کی دیواروں
پر یا اِدھر اُودھر تھوکنے سے منع فرماتے۔
اور اگر دیکھتے کہ کسی نے مسجد کی دیوار پہ
تھوک دیا ہے تو دستِ مبارک سے تھوک
کے نشان کو کُھرچ دیتے۔ اگر کوئی شخص اپنے
بال پریشان رکھتا تو اُس کو بالوں کے
سنوارنے کا حکم دیتے۔ جمعہ کے روز مسجد
میں کثرتِ ہجوم سے بُو پھیل جاتی ہے۔
اِس لئے آپ نے جمعہ کا غُسل لازم قرار دیا
اور حکم دیا کہ جُمعہ کے روز مسجد میں خُوشبُو
کی انگیٹھیاں جلائی جائیں۔ راستہ میں یا درختوں
کے سایہ کے نیچے بول و بُراز کرنے سے
سختی کے ساتھ منع فرمایا۔ حکم دیا کہ پیشاب
کے بعد استنجا کیا جاوے۔ قضائے حاجت

کے بعد ہاتھ کو مٹی سے رگڑ کر دھوتے۔ بُو دار چیزیں مثلاً پیاز لہسن اور مولی وغیرہ آپ کو ناپسند تھیں۔ حکم تھا کہ کوئی شخص یہ چیزیں کچی کھا کر مسجد میں نہ آوے۔ کھانے سے پہلے اور پیچھے آپ ہاتھ دھوتے اور مُنہ کو خُوب صاف کرتے ؂

ایثار ایثار کے معنے ہیں دُوسروں کی ضرُوریات کو اپنی ضرُوریات پر مقدم کرنا۔ جوں جوں انسان انسانیت میں ترقی کرتا جاتا ہے اتنا ہی اُس میں ایثار زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ چُونکہ آپ انسانیّت کے اعلیٰ ترین مقام پر پہنچے ہُوئے تھے اِس لئے آپ میں ایثار بھی سب اِنسانوں سے زیادہ تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم کی ساری زندگی گویا اس وصف کے اِظہار کا ایک نامتناہی سِلسلہ تھا۔ آپ نے تیئیس برس کے لمبے زمانہ میں اپنا ہر طرح کا آرام بنی نوع کی ہدایت کی خاطر قربان کر دیا۔ بے شمار موقعوں پر جب کبھی آپ کی ضرورت اور

دُوسروں کی ضرورت میں ٹکر واقع ہوئی تو آپ نے اپنی ضرورت کی پرواہ نہ کی اور دوسروں کی ضرورت پُوری کر دی ؞

حضرت فاطمہؓ جو آپ کی نہایت ہی پیاری بیٹی تھیں اپنے ہاتھ سے چکی پیستیں اور خود ہی پانی کی مشک بھر کر لاتیں۔ ایک روز وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوئیں اور حضرت علیؓ کی زبانی خدمتِ اقدس میں عرض کی کہ "مجھے خدمت کے لیئے فلاں غزوہ میں جو کنیزیں آئی تھیں ان میں سے ایک کنیز مِل جاوے"۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ و سلم نے فرمایا۔ کہ "جب تک اہل صُفہ کا انتظام نہ ہو لے میں اور کِسی طرف توجہ نہیں کر سکتا ؞

ایسی ہی ایک درخواست حضرت زبیر کی صاحبزادیوں نے بھی کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے ہیں" ؞

ایک موقعہ پر ایک عورت ایک چادر بطور ہدیہ آپ کی خدمت میں لائی۔ آپ کو ضرورت تھی اِس لئے آپ نے قبول کر لی۔ ایک صاحب وہیں بیٹھے تھے۔ اُنہوں نے چادر کی تعریف کی تو آپ نے چادر با وجود اپنی ضرورت کے اُن کو عنایت کر دی۔ آپ جب مجلس سے اُٹھ کر چلے گئے تو صحابہ نے اُس شخص کو ملامت کی کہ تم جانتے ہو کہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سوال کو رَد نہیں کرتے۔ اور چادر کی آپ کو ضرورت بھی تھی۔ پھر تم نے کیوں سوال کیا اس شخص نے کہا کہ میں نے یہ چادر اِس لئے لی ہے کہ مجھ کو اس کا کفن دیا جائے؛

ایک شخص نے اپنے سات باغوں کی مرتے وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں وصیت کر دی۔ آپ نے ان کو غربا اور مساکین کی مدد کے لئے خُدا کی راہ میں وقف کر دیا۔ ایک دفعہ آپ کے ہاں ایک مہمان آیا۔ آپ کے ہاں کھانے

کو کچھ نہ تھا۔ صرف بکری کا دُودھ تھا۔ وہ آپ نے اس کے حوالہ کر دیا اور آپ سب فاقہ سے رہے۔ مزا یہ ہے کہ اس سے پہلے روز بھی آپ کے ہاں فاقہ تھا ؀

حیا لکھا ہے کہ آپ کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ با حیا تھے۔ آنکھیں پھاڑ کر دیکھنا آپ کی عادت میں نہ تھا۔ آپ نے اپنی زبان سے کبھی کوئی بے حیائی کا لفظ نہیں نکالا۔ عرب میں رفع حاجت کے لیئے لوگ جنگل میں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ جاتے تھے۔ اور باتیں بھی کرتے جاتے تھے۔ آپ نے اس سے سخت منع فرمایا۔ خود رفع حاجت کے لیئے جنگل میں بہت دُور تک نکل جاتے تھے یہاں تک کہ سب کی نظر سے اوجھل ہو جاتے۔ حمام میں نہانے سے عورتوں کو قطعًا منع فرمایا اور مردوں کو حکم دیا کہ حمام میں چادر باندھ کر نہاؤ۔ عرب میں لوگ ننگے نہاتے اور ننگے ہو کر کعبہ کا طواف کرتے تھے۔

آپ کو یہ باتیں سخت ناپسند تھیں ؀

سوشل اخلاق

راست گوئی اور ایفاء وعدہ

آپ اپنی راست گوئی میں نبوت سے پہلے بھی مشہور تھے۔ آپ کے دشمنوں نے بھی آپ کو امین ہی کہا۔ ابو جہل کہا کرتا تھا کہ "اے محمد! (صلے اللہ علیہ وسلم) میں تجھ کو جھوٹا نہیں کہتا مگر جو کچھ تم کہتے ہو اس کو صحیح نہیں سمجھتا"۔ ابتدائے نبوت میں آپ نے خدا کے حکم سے قریش کو ایک مقام پر جمع کر کے فرمایا کہ "اگر میں تم کو کہوں کہ پہاڑ کے پیچھے سے ایک فوج آ رہی ہے تو کیا تم باور کرو گے"؟ سب نے کہا "ہاں۔ کیونکہ ہم نے تمہیں جھوٹ بولتے کبھی نہیں دیکھا" قیصر کے سوال کے جواب میں ابوسفیان نے

بھی یہی شہادت دی کہ "ہمارے علم میں اُس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔" بھلا نبی کہاں اور جھوٹ کہاں! جھوٹا نبی نہیں ہو سکتا اور نبی جھوٹا نہیں ہو سکتا ؂

وعدہ خلافی بھی ایک قسم کا جھوٹا ہونا ہے۔ اِس لئے آپ کبھی وعدہ خلافی کے بھی مرتکب نہیں ہُوئے۔ بعض دفعہ آپ کے دوست سخت ابتلا میں پڑ گئے مگر آپ نے وعدہ خلافی نہیں کی۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کی ایک شرط تھی کہ جو مُسلمان مکہ سے مدینہ جائے گا اگر اہل مکہ تقاضا کریں تو اُسکو واپس کر دیا جائیگا۔ ابو جندل ایک مُسلمان تھے جو اہل مکہ کی قید میں تھے۔ وہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور اپنی درد کی داستان سُنائی تو سب مُسلمانوں پر رقت طاری ہو گئی۔ مگر آپ نے شرط کے مطابق اُن کو واپس جانے پر مجبُور کیا اور فرمایا کہ "صبر کرو۔ ہم بد عہدی نہیں کر سکتے۔ خدا چاہیگا

تو تمہارے لیئے کوئی راہ نکال دے گا"۔

بعض اوقات سخت زحمت گوارا فرماتے مگر وعدہ کے خلاف نہ کرتے۔ ایک دفعہ ایک شخص ایک ضروری معاملہ کے لیئے آپ کو ایک جگہ بٹھا کر کہیں چلا گیا۔ اتفاق سے وہ اُس بات کو بھول گیا۔ تین دن کے بعد اُدھر سے گزرا تو آپ کو وہیں بیٹھے پایا آپ نے جب اُس کو دیکھا تو صرف اتنا کہا کہ "میں تین دن سے یہاں تمہارا انتظار کر رہا ہوں"۔

جنگ بدر کے موقعہ پر آپ کی فوج کفار کی فوج سے بہت ہی کم تھی۔ اس موقعہ پر دو مسلمان مکہ سے مدینہ آ رہے تھے۔ قریش نے ان کو پکڑ لیا اور اس شرط پر چھوڑا کہ تم لڑائی میں شریک نہ ہوگے اُنہوں نے آ کر سب حال آپ کی خدمت میں عرض کر دیا۔ آپ نے ان دونو کو واپس کر دیا اور فرمایا کہ "ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے"۔

امانت داری اور حُسن معاملہ

آپ کی امانت داری کی ملک میں دھوم تھی۔ نبوّت سے پہلے بھی لوگ آپ کو امین کہہ کر ہی پُکارا کرتے تھے۔ کفار با وجود شدید عداوت کے اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھتے۔ جب آپ نے مکّہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کا عزم فرمایا تو اس وقت بھی آپ کے پاس بہت سے لوگوں کی امانتیں تھیں آپ نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر لٹایا اور ارشاد فرمایا کہ میرے پاس جتنی امانتیں ہیں صُبح سب ادا کرکے مدینہ آ جانا؟" آج کل جب دو قوموں میں جنگ ہوتی ہے تو دشمن کے جس قدر اموال اور املاک ملک میں ہوں سب ضبط کر لی جاتی ہیں۔ مگر آپ کے اخلاق کی بلندی پر غور کرو کہ عین اُس وقت جب دشمن جان لینے کے لیئے گھر کا محاصرہ کیئے ہُوئے ہیں آپ کو اُن کی امانتوں کے ادا کرنے کی فکر ہے ؛

لین دین میں آپ نہایت دیانت اور

صفائی کو مدِّ نظر رکھتے تھے۔ مرض الموت میں بھی آپ کو یہ خیال تھا کہ کسی کا کوئی قرضہ میرے ذمّہ نہ رہ جائے۔ چنانچہ اعلان کر دیا کہ جس کا کوئی قرضہ میرے ذمہ ہو وہ اس وقت لے لے ؛

ایک شخص کے چند درم تھے۔ اُس نے یاد دلایا تو اُس کو اُسی وقت دلوا دیئے اگر کوئی شخص فوت ہو جاتا تو آپ دریافت فرما لیتے کہ اس کے ذمّہ کوئی قرضہ تو نہیں۔ اگر قرضہ نکلتا تو آپ اُس کی نماز جنازہ میں شریک نہ ہوتے جب تک کہ کوئی اُس کے قرض کا ذمّہ دار نہ ہو جاتا۔ اکثر آپ خود اُس کے قرض کے ذمہ دار ہو جاتے ؛

آپ اگر کوئی جنس قرض میں لیتے تو ہمیشہ اُس سے بہتر چیز واپس کرتے۔ ارشاد تھا کہ "سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو قرض کو خوش معاملگی سے ادا کرتے ہیں" آپ اگر کوئی چیز کسی سے عاریتہً لیتے اور

وہ گم ہو جاتی تو آپ اُس کی قیمت ادا فرماتے ۔

انصاف اور مساوات

آپ کے انصاف کا یہ عالم تھا کہ دشمن بھی اپنے تنازعے آپ سے فیصل کراتے تھے ۔ اور کبھی کسی کو شکایت نہ ہوتی کہ آپ نے کسی کی رعایت کی ہے ۔ بعض اوقات کوئی مقدمہ آپ کے پاس ایسا بھی آجاتا جس میں ایک فریق مسلمان ہوتا اور دُوسرا کافر ۔ حالانکہ دونو قوموں کے درمیان جنگ تھی پھر بھی آپ انصاف فرماتے ۔ اور مُسلمان اگر جھوٹا ہوتا تو اس کو جھوٹا قرار دیتے ۔ خیبر کے یہودیوں نے ایک دفعہ ایک صحابی کو موقعہ پا کر قتل کر دیا ۔ ان کے بھائی نے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر فریاد کی ۔ آپ نے اُن سے کہا "کیا تم قسم کھا کر کہ سکتے ہو کہ واقعہ میں یہودیوں نے تمہارے بھائی کو قتل کیا ہے"؟ اُنھوں نے کہا "میں نے اپنی آنکھ

سے نہیں دیکھا" حالانکہ یہ بات بالکل قرین قیاس تھی کہ یہودی ہی قاتل تھے۔ پھر بھی چونکہ پورا ثبوت نہیں تھا آپ نے اس کے متعلق کوئی کارروائی نہ کی ؎

ایک یہودی کا آپ پر کچھ قرضہ تھا۔ ایک دن وہ آیا اور وقت سے پہلے ہی قرضہ کا تقاضا شروع کر دیا اور چادر آپ کے گلے میں ڈال کر آپ کو گھسیٹنا شروع کیا۔ حضرت عمرؓ پاس تھے۔ انھوں نے یہودی کو ڈانٹا۔ مگر آپ نے انہیں یہ کہہ کر ٹھنڈا کیا کہ یہودی کو نرمی سے سمجھاؤ کہ تقاضے میں سختی نہ کرے اور مجھ سے بھی کہو کہ قرضہ ادا کر دو ؎

ایک صحابی ایک یہودی کے مقروض تھے اور اُن کے پاس سوائے بدن کے کپڑوں کے اور کچھ نہ تھا۔ یہودی اُن کو پکڑ کر آپ کی خدمت میں لایا۔ آپ نے اُن کو بار بار حکم دیا کہ قرضہ ادا کر دو۔ انھوں نے عذر کیا کہ میرے پاس کچھ نہیں۔ آخر آپ نے

اپنا تہ بند قرضہ میں اُس یہودی کو دیا اور سر سے عمامہ کھول کر کمر سے لپیٹ لیا ٭

ایک دفعہ ہجوم میں آپ کے ہاتھ سے ایک شخص کے مُنہ پر ایک پتلی سی لکڑی لگ گئی جس سے اُس کو خفیف سا زخم آ گیا۔ آپ نے فرمایا "مجھ سے انتقام لے لو" مگر اُس شخص نے معاف کر دیا۔ جب آپ کی وفات بہت قریب تھی تو آپ نے عام اعلان کر دیا کہ "اگر میرے ذمّہ کِسی کا قرضہ ہو یا میں نے کِسی کو کوئی نقصان پُہنچایا ہو تو اس وقت وہ مجھ سے اپنا حق وصُول کر لے"۔ ایک شخص نے چند درہم کا قرضہ بیان کیا۔ وہ اُسے ادا کر دیئے گئے ٭

ایک دفعہ ایک معزز خاندان کی عورت نے چوری کی۔ پُرانے دستور کے مؤافق لوگوں نے کوشش کی کہ وہ سزا سے بچ جاوے اور آپ کے عزیزوں کی سفارشیں بھی کرائیں۔ مگر آپ نے فرمایا "اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرے تو وہ بھی سزا سے نہیں بچ سکتی"۔

پھر آپ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی تباہی
کا یہی سبب تھا کہ وہ غُربا کو سزا دیتے
اور اُمرا سے در گذر کرتے ؛

ایک دفعہ حضرت ابوبکر نے حضرت سلمان
اور بلال پر جو فقرا میں شمار ہوتے تھے خفگی
کا اظہار کیا۔ آپ نے ابو بکر سے فرمایا "تم
نے ان لوگوں کو ناراض تو نہیں کر دیا؟"
یہ سُن کر حضرت ابوبکر ان لوگوں کے پاس
آئے اور اُن سے معافی مانگی اور اُنہوں نے
معاف کر دیا ؛

حُسنِ خُلق آپ کِسی کی جائز درخواست
کو رد نہیں فرماتے تھے۔
عقیدتمند پانی کے برتن لے کر آتے اور
عرض کرتے کہ آپ اس میں اپنا ہاتھ
ڈال دیں۔ اگر صُبح کا وقت اور سردی کا
موسم بھی ہوتا تو بھی آپ اِنکار نہ فرماتے۔
آپ نے عمر بھر میں کبھی کِسی کا سوال رد
نہیں فرمایا۔ آپ ہر ایک سے خندہ پیشانی
سے پیش آتے اور کبھی کِسی کی دِل شکنی

نہ کرتے۔ آپ نہایت نرم مزاج تھے۔ جب کسی سے ملتے تو ہمیشہ پہلے سلام کرتے اور پہلے مصافحہ کے لیئے ہاتھ بڑھاتے۔ اگر کوئی شخص آپ کے کان میں کچھ بات کہنا چاہتا تو جب تک وہ مُنہ نہ ہٹا لیتا آپ اپنا رُخ نہ پھیرتے۔ جب مصافحہ کرتے تو جب تک دُوسرا آدمی ہاتھ نہ ہٹا لیتا آپ اپنا ہاتھ نہ ہٹاتے ؛

آپ اپنے خادموں سے نہایت محبّت کا برتاؤ کرتے تھے۔ اُن سے کبھی خفا نہیں ہوتے تھے۔ درگذر طبیعت میں اس قدر تھا کہ انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے سالوں آپ کی خدمت کی مگر آپ نے میرے قصوروں پر مجھے کبھی مُلامت نہیں کی۔ اگر کوئی شخص سخت قصور کرتا تو نہایت نرمی سے سمجھاتے۔ کسی بدوی نے ایک دفعہ مسجد میں پیشاب کر دیا۔ حاضرین نے اُس کو سخت سُست کہنا شروع کیا۔ آپ نے منع فرمایا۔ پیشاب کو مٹی سے ڈھکوا

دیا اور بدوی کو سمجھا دیا کہ یہ نماز کی جگہ ہے یہاں پیشاب نہیں کرنا چاہیئے ؛

مدینہ میں ایک دفعہ قحط پڑا۔ ایک صحابی جن کا نام عباد تھا بھوک کے مارے کھجوروں کے باغ میں چلے گئے اور خوشے توڑ کر کچھ تو کھا لئے اور کچھ دامن میں رکھ لیئے۔ باغ نے مالک نے آ کر اُن کو مارا اور اُن کے کپڑے اُتار لیئے۔ اُنھوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی۔ باغ کا مالک بھی موجود تھا۔ آپ نے فرمایا "یہ جاہل تھا۔ چاہئے تھا کہ تم اس کو تعلیم دیتے اور یہ بھوکا تھا۔ چاہئے تھا کہ اس کو کھانا کھلاتے" یہ کہہ کر کپڑے واپس دلوا دیئے اور اپنے پاس سے بہت سا غلّہ عنایت فرمایا

اگر کسی شخص کی کوئی بات ناپسند ہوتی تو منہ پر نہ کہتے۔ ایک دفعہ ایک شخص زرد کپڑے پہن کر خدمت میں حاضر ہوا جب وہ چلا گیا تو لوگوں سے کہا کہ اس سے کہہ دینا کہ یہ رنگ دھو ڈالے۔ بڑے آدمیوں

سے بھی محبت اور نرمی سے گفتگو کرتے۔
فرمایا کرتے کہ "خدا کے نزدیک سب سے بُرا
وہ شخص ہے جس کی بد زبانی کی وجہ سے
لوگ اُس سے ملنا چھوڑ دیں" راہ میں جب
چلتے تو جو سامنے آتا اُس کو سلام کرتے
اگر کسی شخص میں بُرائی دیکھتے تو مجلس
میں نام لیکر اُس کا ذکر نہ کرتے۔ بلکہ
یوں فرماتے کہ "بعض لوگوں میں یہ عیب
ہوتا ہے اور بعض لوگ ایسا کرتے ہیں"
یہ طریق اِس لئے اختیار فرماتے کہ کسی کی
تذلیل نہ ہو۔ ایک دفعہ آپ مع چند صحابہ
کے ایک شخص کے گھر میں مہمان تھے اس
کے پاس چند بکریاں تھیں اور اُنہی کے دُودھ
پر گزارہ تھا۔ جب وہ دُودھ دوہ لیتا تو سب
لوگ اپنا اپنا حِصّہ پی لیتے اور آپ کے لِئے
تھوڑا سا پیالہ میں چھوڑ دیتے۔ ایک رات آپ
دیر کرکے تشریف لائے۔ لوگوں نے سب دُودھ
پی لیا اور پیالہ خالی چھوڑ دیا۔ آپ آئے
تو پیالے کو خالی دیکھا۔ خاموش ہو رہے

گھر والے نے چاہا کہ بکری ذبح کرے۔ مگر آپ نے روکا اور دوبارہ بکری دوہ کر جو کچھ دودھ نِکلا اُتنا ہی پی لیا اور سو رہے ؛

ایک دفعہ ایک شخص آپ کے ہاں آکر مہمان رہا۔ وہ ابھی کافر تھا۔ رات کو گھر کی تمام بکریوں کا دُودھ پی گیا اور اہل بیت سب کے سب بھُوکے رہے۔ آپ نے اُس کو جتلایا تک نہیں ؛

اسی طرح ایک اور کافر آپ کے ہاں مہمان ہوُا۔ اُس نے یکے بعد دیگرے سات بکریوں کا دُودھ پی لیا۔ مگر آپ نے کسی قِسم کی بیزاری ظاہر نہ کی۔ اس کا اثر یہ ہوُا کہ وہ صُبح کے وقت مُسلمان ہو گیا؛

ابو ہریرہؓ کی ماں کافر تھی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتی تھی۔ ابو ہریرہؓ نے حضور میں عرض کی۔ آپ نے بجائے غصّہ کے دعا کی ؛

منافقین اسلام کے درپردہ دشمن تھے اور اسلام کو تباہ کرنے کی ہر سازش میں

شریک ہوتے تھے۔ مگر آپ اُن سے ہمیشہ خوش اخلاقی سے پیش آتے تھے۔ منافقین کے رئیس عبد اللہ بن ابی کے مرنے پر جب اس کے بیٹے نے آپ کی چادر اس کے کفن کے لیئے مانگی تو آپ نے عنایت فرما دی اور اُس کا جنازہ بھی پڑھا ؁

عُفو انسان کی نیک صفات میں سے سب سے مشکل عُفو ہے۔ اچھے اچھے لوگ انتقام لینے میں دل کی ٹھنڈک محسوس کرتے ہیں۔ رامچندر جی نے اپنے دُشمن راون پر غلبہ پایا تو لنکا کو جلا دیا۔ ہندو لوگ سال کے سال لنکا جلاتے ہیں اور راون کے خلاف اپنے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرتے ہیں۔ بنی اسرائیل کے نبی اپنے دشمنوں کو بے دریغ تہ تیغ کرتے تھے۔ آج کل کی مہذب قومیں اپنے دشمنوں کے شہروں پر آسمان سے گولے برساتی اور جنگوں کے خاتمہ پر بے انداز تاوانِ جنگ وصُول کرتی ہیں۔ خواہ جنگ چھیڑنے میں قصُور اپنا ہی کیوں

نہ ہو ؎

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کیریکٹر میں یہ وصف نہایت ہی نمایاں ہے اور آپ کے شدید ترین دشمنوں نے بھی اس کا اِعتراف کیا ہے۔آپ نے کبھی اپنے ذاتی معاملہ میں کسِی سے اِنتقام نہیں لیا قریش نے مکہ میں تیرہ سال تک جو جو ایذائیں آپ کو اور آپ کے دوستوں کو دیں اُن کو سُن کر سخت سے سخت دل اِنسان کے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔مکہ فتح ہوتا ہے۔ان لوگوں پر آپ کو پوری قدرت حاصل ہے۔قتل کرا دیں ملک بدر کرا دیں بھُوکوں ماریں کوئی روکنے والا نہیں۔مگر اِن سب لوگوں کی توقع کے خلاف ہوتا کیا ہے؟ یہ کہکر "کہ تم پر کوئی ملامت نہیں۔تم سب آزاد ہو" سب چھوڑ دیئے جاتے ہیں ؎

ان قریش میں بعض ہستیاں اس قِسم کی تھیں کہ اُن کو معاف کر دینا اخلاق کا

ایک نہایت عظیم الشان مُعجزہ ہے۔ عکرمہ بن ابو جہل اسلام کے نہایت خطر ناک دُشمن ابو جہل کا بیٹا تھا۔ وہ فتح مکہ کے وقت یمن بھاگ گیا۔ اس کی بی بی مُسلمان ہو گئی تھی۔ وہ اُس کو جا کر واپس لائی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا۔ آپ نے اس کو نہ صِرف معاف ہی کر دیا بلکہ خوشی سے اُس کا استقبال کیا ؂

حضرت حمزہؓ آپ کے چچا تھے۔ آپ کو اُن سے شدید محبّت تھی اور وہ ان لوگوں میں سے تھے جن سے اسلام کو بڑی تقویت حاصل تھی۔ ایک شخص نے جس کا نام وحشی تھا غزوہ اُحد میں اُن کو شہید کیا تھا۔ فتح مکّہ کے وقت وہ بھی خدمت میں حاضر ہو کر معافی کا طالب ہوا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس سے اِسقدر فرمایا کہ ”میرے سامنے نہ آیا کرنا تم کو دیکھ کر مجھے چچا کی یاد آتی ہے“ ہندہ نے

حضرت حمزہؓ کا پیٹ چاک کر کے آپ کا جگر چبایا تھا۔ فتح مکہ پر وہ بھی آئی۔ مگر آپ نے اس کی درندگی کا ذکر تک نہ کیا وہ اس عفو سے نہایت ہی متاثر ہوئی اور اسلام لے آئی ؛

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی زینب حاملہ تھیں۔ جب وہ مدینہ کی طرف ہجرت کر رہی تھیں تو ایک شخص ہبار بن الاسود نے ان کو اُونٹ سے گرا دیا جس سے حمل ساقط ہو گیا اور وہ اسی صدمہ سے وفات پا گئیں۔ ایسے شخص نے بھی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے قصوروں کا اعتراف کیا اور معاف کر دیا گیا ؛

مکہ میں یمامہ سے غلہ آیا کرتا تھا۔ یمامہ کے رئیس ثمامہ بن آثال مسلمان ہو کر مکہ گئے تو قریش نے ان کو طعنہ دیا۔ اُنھوں نے غصہ میں آ کر کہا کہ اب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر غلہ کا ایک دانہ بھی مکہ میں نہ جانے دُوں گا

مکّہ میں اناج کا قحط پڑ گیا۔ آخر قریش جنہوں نے آپ کو اور آپ کے خاندان کو تین سال تک ایک جگہ محصُور رکھ کر اناج سے قطعًا محرُوم کر کے بھُوکوں مارنا تھا اب آپ کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور بندش ہٹائے جانے کی درخواست کی۔ رحمۃ اللعالمین صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا اور بندش اُٹھوا دی۔ اِسی قِسم کے بے شمار واقعات تاریخ کی کتابوں میں لِکھے ہیں ؂

سراقہ ہجرت کے دن آپ کا سر لانے کے لِئے اِنعام کی طمع میں آپ کے تعاقب میں گیا۔ فتح مکہ کے موقعہ پر اِسلام لایا مگر آپ نے یاد تک بھی نہ دلایا کہ تم مجھے قتل کرنے کے ارادہ سے نِکلے تھے ؂

ایک شخص عمیر نامی اپنی تلوار زہر میں بُجھا کر آپ کو قتل کرنے کی نیّت سے مدینہ آیا۔ حضرت عمرؓ نے اُس کے ساتھ سختی کرنی چاہی۔ لیکن آپ نے روکا اور اپنے پاس بٹھا کر اس کا بھید اس پر

ظاہر کر دیا اور اس سے اس قاتلانہ ارادہ کے متعلق کسی طرح کا تعرض نہیں کیا اُس شخص پر اس کا اتنا اثر ہُوا کہ وہ مسلمان ہو گیا ؂

ایک دفعہ ایک شخص آپ کے قتل کے ارادہ سے آیا۔ صحابہ کو اس کا ارادہ معلوم ہو گیا اور وہ اس کو گرفتار کر کے حضور میں لائے۔ وہ آپ کو دیکھ کر ڈر گیا۔ آپ نے فرمایا "ڈرو نہیں۔ اگر تم مجھے قتل چاہتے تو بھی نہ کر سکتے" ؂

ایک دفعہ اسّی آدمیوں کا ایک دستہ آپ کو چھپ کر قتل کرنے کے ارادہ سے آیا۔ اتفاقاً سب لوگ گرفتار ہو گئے۔ لیکن آپ نے سب کو آزاد کر دیا ؂

شفقت علےٰ خلق اللہ

امرا سے آپ کا برتاؤ خوش خُلقی اور مدارات کا ہُوا کرتا تھا۔ مگر غریبوں اور مسکینوں پر آپ کو خاص شفقت تھی۔ اُن سے آپ کا برتاؤ اس

طرح کا ہوتا کہ ان کو اپنی غریبی کا صدمہ بھول جاتا۔ آپ اُن کے درمیان اس طرح بیٹھتے کہ گویا آپ اُن میں سے ایک ہیں اصحاب صفہ میں اکثر اسی قسم کے لوگ تھے۔ آپ اُن کے آرام و آسایش کا خاص خیال رکھتے تھے۔ سعد بن ابی وقاص فاتح مصر اپنے آپ کو غریبوں سے بلند رُتبہ سمجھا کرتے تھے۔ آپ نے ایک دفعہ اُن کی طرف خطاب کرکے فرمایا "تم کو جو نصُرت اور روزی میسّر آتی ہے وہ انہی غریبوں کی بدولت آتی ہے" آنحضرت صلے اللہ علیہ و سلم اکثر دُعا کیا کرتے تھے کہ "خداوندا۔ مجھے مسکین زندہ رکھ۔ مسکین اُٹھا اور مسکینوں کے ساتھ میرا حشر کر" پھر فرمایا "اے عائشہ! کسی مسکین کو اپنے دروازہ سے نامراد نہ پھیرو۔ اے عائشہ! غریبوں سے محبّت رکھو اور ان کو اپنے نزدیک کرو تو خُدا بھی تم کو نزدیک کریگا" صحابہ نے ایک دفعہ

عرض کی کہ موذی دشمنوں کے حق میں بد دُعا فرماویں۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ "میں دُنیا کے لِئے لعنت نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں؟

ایک دفعہ مکہ میں اتنا قحط پڑا کہ لوگ مُردار کھانے لگے۔ یہ وہی دشمن تھے جنہوں نے علاوہ اور تکالیف کے آپ پر تین سال تک رِزق بھی بند کر رکھّا تھا۔ مگر ابو سُفیان کی درخواست پر آپ نے دُعا فرمائی اور قحط دُور ہو گیا ؟

آپ ہمیشہ اپنے دشمنوں کے حق میں نیک دُعا کیا کرتے تھے۔ آپ نے منافقوں کے سردار عبد اللہ بن ابی پر نماز جنازہ پڑھائی۔ اور اس کے لِئے مغفرت کی دُعا مانگی۔ آپ کا وجُود غلاموں کے لِئے رحمت تھا۔ مرض الموت میں بھی آپ کو غلام یاد تھے۔ فرمایا "غلاموں کے معاملہ میں خُدا سے ڈرنا" غلاموں کو لفظ غلام سے تکلیف ہوتی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ "کوئی میرا غلام میری

لونڈی نہ کہے۔ بلکہ میرا بچّہ میری بچی کہے" ارشاد تھا "یہ غلام تمہارے بھائی اور خدا کی مخلوق ہیں۔ خدا کی مخلوق کو ستایا نہ کرو۔ جو خود کھاؤ وہ اُن کو کھلاؤ۔ جو خود پہنو وہ اُن کو پہناؤ۔ اُن کو اتنا کام نہ دو جو وہ نہ کر سکیں۔ اور اگر زیادہ کام دو تو خود اُن کی مدد کرو" آنحضرت صلے اللہ علیہ و سلم کو جتنے غلام ملا کرتے وہ اُن کو آزاد فرما دیتے۔ زید بن حارثہ آپ کے غلام تھے۔ آپ نے اُن کو آزاد کر دیا۔ اُن کے باپ اُن کو لینے آئے مگر اُنہوں نے حضور ہی کی خدمت میں رہنا پسند کیا۔ انہی زید کے بیٹے اسامہ کی ناک آپ اپنے ہاتھ سے صاف کیا کرتے تھے۔ ایک شخص نے پوچھا "یا رسول اللہ! (صلے اللہ علیہ و سلم) میں اپنے غلام کو کتنی دفعہ معاف کروں" آپ نے فرمایا "ستّر دفعہ ایک روز میں" ایک گھر میں سات آدمیوں کی ایک لونڈی تھی۔ ایک دفعہ اُن میں سے ایک نے اس کو ایک تھپڑ

مارا۔ آپ کو معلوم ہُوا تو فرمایا کہ "اس کو آزاد کر دو"۔

دُنیا میں آنحضرت صلے اللہ علیہ و سلم پہلے انسان ہیں جنھوں نے عورت کو اس کا حقیقی رُتبہ دیا۔ اِسلام سے پہلے عورتوں کی حیثیت جانوروں سے زیادہ نہ تھی۔ انسان ان کو اپنی ہواؤ ہوس پُورا کرنے کا اور بچّے پیدا کرنے کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ و سلم نے عورتوں کو مردوں کے برابر درجہ دیا اور ان کی عِزت دُنیا میں قائم کی۔ آپ کو اپنی بیبیوں سے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ اور اپنی دُوسری اولاد سے بھی بڑی محبّت تھی۔ جب سفر پر تشریف لے جاتے تو سب سے آخر حضرت فاطمہؓ کے پاس جاتے اور جب سفر سے واپس آتے سب سے اوّل حضرت فاطمہؓ ہی آپ کی خدمت میں بار یاب ہوتیں۔ حضرت فاطمہؓ جب آپ کی خدمت میں آتیں تو آپ اُٹھ کھڑے ہوتے

ان کی پیشانی پر بوسہ دیتے اور ان کو اپنی جگہ پر بٹھاتے۔ ایک بار آپ نے امامہ اپنی نواسی کو کندھے پر اُٹھائے ہُوئے نماز پڑھائی۔ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے آپ کو بے انتہا محبّت تھی۔ آپ اُن کے گھر جا کر اُن کو پیار کرتے اور سینے سے لپٹاتے ایک دفعہ مسجد میں خُطبہ فرما رہے تھے کہ حسینؓ لڑکھڑاتے ہُوئے آگئے آپ ضبط نہ کر سکے۔ منبر سے اُتر کر اُن کو گود میں اُٹھا لیا اور اپنے سامنے بٹھا لیا۔ امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو اکثر اپنے کندھوں پر بٹھا کر سیر لے جاتے تھے ؂

آپ کی رضاعی ماں جب ایک دفعہ آپ سے ملنے کے لیۓ آئیں تو آپ نے اُن کی نہایت تکریم کی اور اُن کے بیٹھنے کے لیۓ اپنی چادر بچھا دی۔ آپ کی حدیث ہے۔خیرکم خیرکم لاھلہٖ۔ عام عورتیں بلا تردّد آپ کے پاس آتیں اور بڑی جرأت سے مسائل دریافت کرتیں۔ جو جو

رُوحانی یا جسمانی نعمتیں آپ انسانوں کے لِئے لائے عورتوں کو ان میں برابر حِصّہ دار قرار دیا۔ آپ کی بعثت سے گویا عورت کی تارِیخ میں ایک نیا باب شروع ہوتا ہے ؛

بے زبان جانوروں کے لِئے بھی آپ رحمت ثابت ہُوئے۔ عرب کے لوگ زندہ جانوروں کے بدن سے گوشت کے ٹکڑے کاٹ کر کھاتے تھے۔ اُس کو روک دیا۔ جانوروں کی دُم اور ایال کاٹنے سے منع کر دیا۔ جانوروں کو دیر تک ساز میں باندھ کر کھڑا رکھنے کی بھی ممانعت کر دی۔ جانوروں کو لڑانا بھی بند کر دیا۔ عرب میں دستور تھا کہ جانور کو باندھ کر کھڑا کر دیتے تھے اور اُس پر تیر اندازی کی مشق کرتے تھے یہ ظالمانہ رسم بھی قطعًا بند کر دی۔ جانوروں کے چہرہ پر داغ دینا بند کر دیا بعض اوقات داغ دینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ آپ نے حُکم دیا کہ ایسے اعضا داغ دیئے جائیں جو زیادہ نازک نہ ہوں۔ ایک

دفعہ سفر کے اثنا میں ایک جگہ منزل کی۔ وہاں ایک پرندہ نے انڈا دیا تھا۔ ایک شخص نے وہ انڈا اُٹھا لیا۔ چڑیا بیچاری نہایت بے قرار اِدھر اُدھر اُڑ رہی تھی آپ نے دریافت فرمایا کہ "کس نے انڈا نکال کر اس کو تکلیف دی ہے"؟ ایک شخص نے کہا "مجھ سے یہ حرکت ہوئی ہے"۔ آپ نے فرمایا "وہیں رکھ دو"۔ ایک دفعہ ایک صحابی ایک جھاڑی سے پرندہ کے بچے نکال لائے۔ آپ نے حکم دیا کہ "جا کر وہیں رکھ آؤ"۔

آپ کو بچّوں سے بڑا اُنس تھا۔ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو راہ میں جو بچّے ملتے ان کو اپنی سواری پر بیٹھا لیتے۔ راستہ میں بچّے ملتے تو ان کو سلام کرتے اور اُن سے مصافحہ کرتے۔ اگر نماز میں کبھی بچّے کے رونے کی آواز آتی تو نماز کو مختصر کر دیتے۔ آپ بچّوں کو چومتے اور اُن کو پیار کرتے۔ اگر کوئی شخص کوئی

نیا میوہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا تو
مجلس میں جو سب سے نو عمر بچّہ ہوتا اُس
کو عنایت فرماتے۔ ایک دفعہ ایک بدوی آیا
اُس نے دیکھا کہ آپ بچّوں کو پیار کر رہے
ہیں۔ اُس نے کہا "تم بچّوں کو پیار کرتے
ہو۔ میرے دس بچّے ہیں۔ میں نے کبھی
کسی کو پیار نہیں کیا" آپ نے فرمایا۔
"اللہ تعالےٰ اگر تمہارے دل سے محبّت
کو چھین لے تو میں کیا کروں" اپنے صحابہ
کے بچّوں کو گود میں لیتے۔ بعض اوقات بچّے
آپ پر پیشاب بھی کر دیتے پھر بھی آپ
رنجیدہ نہ ہوتے ؂

ایک دفعہ ایک اونٹ نظر پڑا جو
مارے بھوک کے نہایت کمزور اور دُبلا
ہو گیا تھا۔ آپ نے فرمایا "اِن بے زبانوں
کے متعلق خدا سے ڈرو" آپ نے۔ اس
موقعہ پر جو خُطبہ پڑھا اس میں دوزخ کا
بیان کرتے ہُوئے فرمایا کہ "میں نے دوزخ
میں ایک عورت کو دیکھا جِس کو صرف

اِس لِئے عذاب دیا جا رہا تھا کہ اُس نے ایک بِلّی کو باندھ رکھا تھا۔ نہ خود اُس کو کھانے کو دیتی تھی اور نہ اُس کو چھوڑتی تھی کہ زمین پر گری پڑی چیز کو کھائے"۔

آپ بڑے رقیق القلب تھے۔ جب کِسی درد ناک واقعہ کو دیکھتے یا کسی مصیبت کا حال سُنتے تو بے اختیار آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ آپ بیمار کی خبر گیری کو تشریف لے جاتے تو بیمار کے سرہانے بیٹھ کر اُس کی نبض پر ہاتھ رکھتے اور اس سے تسلّی کے کلمات کہتے۔ صِرف مُسلمانوں ہی کی بیمار پُرسی نہ کرتے بلکہ کافروں کے ہاں بھی تشریف لے جاتے۔ نماز جنازہ پڑھتے اور متوفی کے لِئے دُعائے مغفرت مانگتے۔

سخاوت آپ کی سخاوت کی کوئی حد نہ تھی۔ فرمایا کرتے تھے میں تو صِرف تقسیم کرنے والا اور خزانچی ہوں۔ دینے

والا اللہ ہے۔ آپ نے کبھی کسی کا سوال رد نہیں کیا۔ جو کچھ ہوتا سب ہی دے دیتے۔ چنانچہ وفات کے بعد جو کچھ آپ نے چھوڑا۔ اس کا ذکر پہلے آ چکا ہے جب کوئی سائل آتا اور آپ کے پاس کچھ ہوتا تو دے دیتے۔ اگر پاس کچھ نہ ہوتا تو وعدہ فرما دیتے۔ اگر کوئی شخص مقروض مر جاتا تو آپ اس کا قرضہ ادا کر دیتے۔ اور جو کچھ اس کا ترکہ ہوتا۔ وارثوں کو ملتا۔ آپ کی سخاوت کی مثالیں تو بے شمار ہیں۔ ذیل میں چند لکھی جاتی ہیں۔ ہمارے دولت مند ان کو پڑھ کر عبرت حاصل کریں ؂

ایک دفعہ ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا۔ اس نے دیکھا کہ دور تک آپ کی بکریوں کا ریوڑ پھیلا ہوا ہے۔ اُس نے آپ سے کچھ بکریاں مانگیں۔ آپ نے سب کی سب اُسے عنایت فرما دیں ؂

ایک دفعہ آپ گھر میں تشریف لائے تو

چہرہ متغیّر تھا۔ ام سلمہؓ نے عرض کیا" یا رسُول اللہ! صلے اللہ علیہ و سلم خیر ہے"؟ فرمایا"کل جو سات دینار آئے تھے شام ہو گئی اور وہ بستر پر پڑے ہیں"۔

ایک دفعہ ایک رئیس نے چار اُونٹ غلّہ سے لدے ہُوئے آپ کی خِدمت میں بھیجے۔ حضرت بلال نے اُن کی قیمت سے کچھ قرضہ ادا کیا اور آپ کو آ کر اطلاع دی۔ آپ نے پُوچھا"کچھ بچ تو نہیں رہا"؟ اُنھوں نے جواب دیا" ہاں کچھ بچ رہا ہے"۔ آپ نے فرمایا"جب تک کچھ باقی ہے میں گھر نہیں جاؤں گا"۔ چونکہ سائل کوئی نہ مِلا اِس لئے رات آپ نے مسجد میں بسر کی۔ دُوسرے دن جب حضرت بلالؓ نے سب تقسیم کر دیا تو آپ کو آ کر اطلاع دی۔ آپ نے خدا کا شکر کیا اور گھر تشریف لائے۔

ایک روز آپ نماز سے فارغ ہو کر

جلدی جلدی گھر تشریف لے گئے اور پھر جلدی واپس آ گئے۔ لوگوں نے جب تعجب سے سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا "مجھے نماز میں خیال آیا کہ کچھ سونا گھر میں پڑا رہ گیا ہے۔ ایسا نہ ہو یونہی رات بھر پڑا رہے۔ اِس لئے میں گھر گیا اور کہہ آیا کہ اسے خیرات کر دیا جائے"۔

آپ کھانے کی چیزیں بھی تنہا نہیں کھاتے تھے۔ بعض اوقات آپ کوئی چیز خریدتے اور پھر وہی چیز جس شخص سے خریدتے اس کو یا اُس کے کسی عزیز کو بطور عطیہ مرحمت فرماتے۔

آداب

آپ بہت آہستہ گفتگو کرتے تھے۔ جس بات پر زور دینا ہوتا اس کو بار بار فرماتے۔ اس طرح آپ کی گفتگو سُننے والوں کو یاد رہ جاتی تھی۔ آپ اکثر خاموش رہتے تھے اور بے ضرورت کبھی بات نہ کرتے تھے۔ آپ ہنستے بہت کم تھے۔ مگر آپ کے چہرہ پر اکثر مسکراہٹ

رہتی تھی ؂

آپ کا لباس بالکل سادہ ہوتا تھا۔ لباس میں کبھی تکلف نہیں ہوتا تھا جو ملتا تھا پہن لیتے تھے۔ بعض اوقات آپ کے پاس صرف ایک چادر ہوتی تھی اور اُسی میں سارا بدن ڈھانک لیتے تھے ؂

کھانے میں سادگی ہمیشہ ملحوظ رہتی دستر خوان پر جو کھانا آتا اگر آپ کو نا پسند ہوتا تو اُس میں ہاتھ نہ ڈالتے مگر اُس کو بُرا نہیں کہتے تھے۔ جو سالن آپ کے آگے ہوتا اُس میں ہاتھ ڈالتے اِدھر اُدھر ہاتھ نہ بڑھاتے۔ تکیہ لگا کر کبھی کھانا نہ کھاتے۔ کھانے میں صرف تین اُنگلیاں اِستعمال کرتے۔ آپ بہت تیز چلتے تھے۔ اور چلنے میں آنکھیں نیچی رکھتے تھے۔ اِدھر اُدھر نہیں دیکھتے تھے ؂

آپ جب کوئی کام شروع کرتے تو بسم اللہ سے شروع کرتے۔ سفر کو روانہ

ہونے کے وقت جب رکاب میں پاؤں رکھتے
پہلے بسم اللہ کہتے ؏
آپ جب کسی کی بیمار پُرسی کو جاتے
تو نبض پر ہاتھ رکھتے۔اس کو تسلّی دیتے
اور اس کی صِحت کے لیئے دُعا کرتے۔
جب کوئی مِلتا پہلے سلام کرتے اور پہلے
مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے۔جب کسی
سے ہاتھ مِلاتے تو جب تک وہ خُود ہاتھ
نہ کھینچتا اُس کا ہاتھ نہ چھوڑتے۔اگر کوئی
کان میں بات کہتا تو جب تک وہ خود
مُنہ نہ ہٹا لیتا آپ اپنا رُخ نہ موڑتے
کِسی کے گھر تشریف لے جاتے تو پہلے
دروازہ سے ہٹ کر السّلام علیکم کہتے۔
پھر گھر والے سے اجازت طلب کرتے
وہ اجازت نہ دیتا تو واپس چلے جاتے
مجلس میں آپ بیٹھتے تو کبھی آپ کے
زانو ہم نشینوں سے آگے نکلے ہُوئے نہ
ہوتے آپ جو کام کرتے دائیں طرف سے
اور دائیں ہاتھ سے کرتے۔جب مجلس

جمتی تو سب سے اوّل آپ حاجت مندوں کی حاجات سُن کر پوری کرتے ۔ گفتگو کرنے میں آپ ترتیب کا خیال رکھتے امیر غریب کا خیال نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی شخص مصروفِ سخن ہوتا تو آپ اس کی بات کو کاٹتے نہیں تھے۔ بلکہ جب تک وہ بات ختم نہ کر لیتا کِسی کو بولنے کی اجازت نہ ہوتی۔ اگر کِسی کی کوئی بات ناپسند ہوتی تو اس کو ٹال دیتے ؂

کوئی اجنبی معزّز آ جاتا تو آپ اس کی تعظیم کرتے ۔ بعض اوقات اُس کے بیٹھنے کے لِئے اپنی چادر بچھا دیتے۔ لوگ آپ کا شکریہ ادا کرتے تو آپ اگر وہ کام کیا ہوتا جس کے لِئے شکریہ کیا گیا ہے شکریہ قبول فرماتے۔ مجلس میں مہذّب ظرافت میں بھی شریک ہوتے۔ گفتگو کے دوران میں جب کوئی اچھی بات کہتا تو اُس کی تعرِیف کرتے۔ آپ اِس بات کو ناپسند فرماتے تھے کہ آپ کے پاس کوئی

آ کر کسی کا عیب بیان کرے۔ آپ سائل کو کبھی جھڑکتے نہیں تھے۔ ہر ایک کو سوال کرنے کی اجازت دیتے اور نہایت نرمی سے اس کو سمجھاتے۔ آپ وعظ و نصیحت کی مجالس ناغہ دے کر فرماتے تھے ؎

آپ دقیق مذہبی بحثوں کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ گذشتہ امتیں انہی باتوں سے برباد ہوئیں ؎

عام باتیں

آپ کے کیرکٹر میں ایسا جذب تھا کہ جس شخص کو آپ سے ایک دفعہ بھی تعلق ہُوا اس نے مرتے دم تک آپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ آپ کے دوست آپ پر اپنی جان قربان کر دینا اپنی سعادت کی معراج سمجھتے تھے زید آپ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ اُس کے باپ نے اُس سے گھر جانے کو کہا ۔ مگر اُس نے کہا کہ میں آپ کی رفاقت کو نہیں چھوڑ سکتا۔ آپ نے کبھی کسی کو گالی نہیں دی۔ اور نہ کسی سے سخت

کلامی سے پیش آئے ۔ یہودی آپ کو السّلام علیکم کی بجائے السام علیکم کہا کرتے تھے جس کے معنے ہیں تم پر موت آئے ۔ ایک دفعہ حضرت عائشہ نے سُنا تو بول اُٹھیں " تم پر موت آئے " آپ نے فرمایا " عائشہ ! خدا سخت کلامی کو پسند نہیں کرتا " آپ احسان کو ہمیشہ یاد رکھتے تھے ۔ حضرت خدیجہ کے جن جن عورتوں سے تعلّقات تھے اُن کو آخر عمر تک تحفے بھیجتے رہے ۔ نجاشی کے سفیروں کی اپنے ہاتھ سے خدمت کی ۔ صرف اِس لِئے کہ اُس نے آپ کے اصحاب کی عزّت کی تھی ۔

آپ کا کام

آنحضرت ”صلے اللہ علیہ وسلم“ کی عظمت شان کا صحیح اندازہ لگانے کے لیئے ضروری ہے کہ دیکھا جائے کہ آپ نے دُنیا میں کیا کچھ کیا۔ مختلف ملکوں میں ہزاروں معلّم گزرے ہیں جنہوں نے بنی آدم کو اچھّی اخلاقی تعلیم دی۔ ہندوستان میں مہاتما بُدھ ایران میں زرتشت۔ چین میں کنفیوسشس اور یونان میں سُقراط ایسے ہی انسان تھے اِن مصلحوں کی تعلیم کا اثر بھی اُن کے پیروؤں پر ایک خاص میعاد تک اچھّا رہا مگر ایسا معلّم اِنسانی تارِیخ میں کہیں نہیں ملیگا۔ جس کی ہمہ گیر تعلیم نے دُنیا کی اخلاقی رُوحانی اور تمدّنی زندگی میں ایسے دیر پا اور عظیم اِنقلاب پیدا کئے ہوں۔ جیسے محمد صلے اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ کی دُور بین نِگاہ نے اللہ تعالیٰ کی رہنمائی سے اِنسانی سوسائٹی کی اُن تمام بیماریوں کو

تاڑ لیا جو اُسے گھُن کی طرح کھا رہی تھیں۔اور ان سب بیماریوں کا کامل علاج تجویز کیا۔آپ نے نہ صرف بیماریوں ہی کا علاج تجویز کیا بلکہ افراد اور سوسائٹی کو بلند سے بلند مِعراج ترقی پر پہُنچانے کے لئے نہایت ہی مؤثر نسخے بتائے۔اگر ہمارے اس دعوے کی تصدیق کی ضرورت ہو تو اِسلامی تارِیخ کے اِبتدائی دَور کا مطالعہ کیا جائے۔ذیل میں آپ کے کام کا ایک مختصر خاکہ دیا جاتا ہے۔

ثبوت ہستی باری تعالیٰ اَور اشاعتِ توحید

جِس سوسائٹی میں اللہ تعالیٰ کی ہستی پر اِعتقاد نہ ہو اس میں ممکن ہے کہ بعض ادنیٰ اخلاق موجُود ہوں جِن سے اِنسانوں کے ذاتی مفاد کے حصُول میں مدد ملتی ہو مگر اعلیٰ اخلاق مثلاً ایثار۔قربانی۔دیانت

وغیرہ یہ ایسی سوسائٹی میں نہیں پائے جا سکتے۔ ایسے اخلاق کے سرسبز ہونے کے لئے دوسری زندگی اور خدا پر اِعتقاد ضروری ہے۔ برخلاف اس کے نا خُدا شناس سوسائٹی میں خود غرضی کا دَور دَورہ ہوگا خفیہ بدی جہاں کوئی دیکھنے والا نہ ہو عام ہوگی۔ کوئی کسی کی خاطر دُکھ نہیں اُٹھائیگا اور سوسائٹی کا عام اُصول ہوگا "ہر ایک اپنے لئے"

بعض قومیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں خُدا پر اِعتقاد تو ہوتا ہے۔ مگر اُن میں خدا کی صفات کا صحیح تصوّر نہیں ہوتا اور اس کے علاوہ انہیں بہت سے دُوسرے معبودوں پر بھی اِعتقاد ہوتا ہے۔ ایسی قومیں اخلاقی طور پر بہت گری ہوئی ہوتی ہیں۔ لوگ فرضی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے گندی بدکاریاں کرتے ہیں۔ عِشق کے دیوتا کو خوش کرنے کے لئے زنا کاری کو حلال بلکہ فرض سمجھتے ہیں۔ دولت کے دیوتا کو

خوش کرنے کے لئے جُوا کھیلنا جائز قرار دیتے ہیں۔ بعض دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے اُن کے نام پر اِنسانی قربانی کی جاتی ہے۔ شراب کا دیوتا کثرتِ شراب نوشی ہی سے خوش کیا جاتا ہے۔ ہندوستان کے ٹھگ ایسے لوگوں کو جو اُن کے قابو چڑھ جاتے تھے کالی دیوی کی بھینٹ چڑھاتے تھے ؎

غلط اِعتقاد ہمیشہ گناہ کی کثرت اور بدی پیدا کرتے ہیں اگر یہ اِعتقاد دِل میں پکا ہو جائے کہ خدا نے ہمارے گناہوں کی معافی کا یہ اِنتظام کر دیا ہے کہ آپ اِنسانی صُورت اِختیار کر کے اِنسانوں کے ہاتھوں مارا گیا اور ہمارے گناہوں کا اِس طرح کفارہ ہو گیا تو کمزور اِنسان ضُرور اس اِعتقاد کا سہارا لیکر گناہ پر دلیر ہو جائیگا اِسی طرح۔ تناسخ کا قائِل متقی نہیں ہو سکتا ؎

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دُنیا میں

ایک ہی اِنسان تھے جنہوں نے اپنی پیشگوئیوں اپنے معجزوں - اپنی بے نظیر تعلیم - اپنی معجزانہ زِندگی اور عقلی دلائل سے اللہ تعالےٰ کی ہستی کا ثبوت دیا - بلکہ یوں کہو کہ اِنسانوں کو اللہ تعالےٰ دِکھلا دیا پھر ایسی خالص توحید سِکھائی جس میں کسی طرح کے شِرک کا شائبہ نہ تھا - اور اِسی کا نتیجہ تھا کہ اخلاق کے لحاظ سے آپ کی قوم دُنیا کی بہترین قوم کہلانے کی مستحق ثابت ہوئی اور اس قوم میں بے شمار ایسے عارفان با کمال پیدا ہوئے کہ دُنیا ان کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے ؛

آپ نے جس طرح اللہ تعالیٰ کی ہستی دُنیا پر ثابت کی اِسی طرح آپ نے اللہ تعالےٰ کی صفات کو بھی واضح کیا اور ایسی صفات کو زیادہ واضح کیا جن پر اِعتقاد اِنسان کے اعمال اور اخلاق پر براہِ راست اثر رکھتا ہے - جو شخص اللہ تعالیٰ

کی صفت بصیر اور خبیر پر سچا ایمان رکھتا ہے وہ کبھی خفیہ گناہوں کا مرتکب نہیں ہوگا۔اسی طرح جو شخص اللہ تعالےٰ کو بصیرت کے ساتھ رزاق مانتا ہے وہ کبھی رزق حاصل کرنے کے لئے چوری۔رشوت اور قتل وغیرہ کا مرتکب نہیں ہوگا ؁

اِصلاحِ اخلاق

دُنیا کو سب چیزوں سے زیادہ صحیح اخلاقی تعلیم کی ضرورت ہے۔آپ نے جیسا اوپر لکھا گیا ہے اپنی اخلاقی تعلیم کو مؤثر بنانے کے لیئے اللہ تعالیٰ کی صفات کا اِنسانوں کو صحیح تصوّر دلایا۔اور اِس طرح اخلاق میں ایک نیا عنصر داخل کیا جس کا نام تقوٰے ہے۔اس عنصر کی بدولت مُسلمان کا اخلاقی آئڈیل بہت ہی بلند ہو گیا۔اور اُن کی اخلاقی حِس میں غیر معمُولی ذکاوت پیدا ہو گئی۔خاص حالات میں ایک

مُسلمان کا طرزِ عمل دُوسرے مذاہب کے ماننے والوں سے بہت ہی بلند ہوتا ہے۔ قرونِ اولٰے کے مُسلمانوں کی تاریخ سے اس کی ہزاروں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ منجملہ اُنکے میں صرف دو مثالوں پر اکتفا کرونگا ؛

حضرت عمرؓ اُمور سلطنت کے متعلّق کاغذات دیکھ رہے تھے۔ رات کا وقت تھا اور چراغ جل رہا تھا۔ ایک شخص آپ سے ملنے کے لیئے آ گیا۔ آپ کا پہلا سوال اس سے یہ تھا کہ گفتگو پرائیویٹ ہے یا عام اسلامی مفاد کے متعلّق؟ جب اُس نے کہا کہ گفتگو میری اپنی ذات کے متعلّق ہے تو آپ نے فوراً چراغ گُل کر دیا اور تاریکی میں اُس سے باتیں کرتے رہے۔ جب وہ اُٹھ کر چلا گیا تو پھر چراغ جلا لیا اور اپنے کام میں مشغول ہو گئے ؛

حضرت ابو بکرؓ بیت المال سے اِتنا لیا کرتے تھے جو اُن کے اہل و عیال کے گُزارہ کے لیئے مشکل سے کافی ہوتا تھا۔ مگر آپ

کی اہلیہ نے غیر معمولی کفایت شعاری سے
کچھ رقم جمع کر کے ایک چادر تیار کرائی
ایک روز جب حضرت ابوبکر باہر سے تشریف
لائے تو بیوی نے خوشی خوشی وہ چادر آپ
کو دکھائی اور بڑے فخر سے کہا کہ میں نے
روز مرّہ کے خرچ سے کچھ کچھ بچا کر یہ چادر
تیار کرائی ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے بی بی کی
کفایت شعاری کی بڑی تعریف کی مگر چادر
بیت المال میں بھیجدی اور ساتھ ہی یہ
رُقعہ لِکھ بھیجا کہ ہمیں آئندہ گزارے کے
لئے اتنا کم بھیجا جایا کرے۔

حضرت عمرؓ جب یروشلم کی کُنجیاں لینے
گئے تو کئی سو میل کا سفر یوں طے کیا کہ
کچھ فاصلہ غلام اُونٹ پر چڑھتا تھا اور آپ
اونٹ کی مہار پکڑتے تھے۔ پھر اتنا ہی فاصلہ
آپ اُونٹ پر سوار ہوتے تھے اور غلام
اونٹ کی مہار سنبھالتا تھا۔ ہم وثوق سے
کہہ سکتے ہیں۔ کہ کسی قوم کی تاریخ ایسی
مثالیں پیش نہیں کر سکتی اور یہ سب

اخلاق کی بلندی اسی تقوےٰ کی بدولت حاصل ہوئی ۞

ایمان اور عمل

عیسائی مذہب نے ایمان پر بڑا زور دیکر اسی کو تنہا نجات کا ذریعہ قرار دیا ہے اور عمل کو بالکل غیر ضروری قرار دیا ہے۔ اس تعلیم سے سوشل زندگی کی جڑیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں اور اگر سب عیسائی واقعی اس تعلیم پر پکّا ایمان رکھّیں تو سوسائٹی میں ایک انار کی پیدا ہو جائے گی۔ اور نیک و بد کی تمیز بالکل مِٹ جائیگی ہندو مذاہب نے ایمان کو غیر ضروری سمجھا اور عمل پر زور دیا یعنی ایسا درخت لگانے کی کوشش کی جس کی جڑیں ہی نہ ہوں۔ مگر اسلام نے ایمان کو جڑ قرار دیا اور عمل کو درخت۔ نرا ایمان کوئی شے نہیں اور عمل کی قوّت ایمان کے بغیر بہت جلد کمزور ہو جاتی ہے۔ پھر اسلام نے عمل کے

ساتھ صالح کی شرط لگا دی ۔ یعنی ایسا عمل جو مطلوبہ نتیجہ کے پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور اس طرح بے شمار ایسے عملوں کا انسداد کر دیا جن میں انسانوں کی بے اندازہ قوت ضائع ہوتی ہے +

عمل میں اعتدال

دُنیا اِسلام ۔سے پہلے ہر بات میں افراط اور تفریط میں مبتلا تھی ۔ اسلام نے ہر امر میں اِعتدال کا راستہ سکھایا +

ا ۔ بعض لوگ نادانی سے خدا کو اِس طرح خوش کرنا چاہتے ہیں کہ سب دنیوی تعلقات قطع کرکے رہبانیت کی زِندگی اِختیار کرلیتے ہیں ۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی منشا کے خلاف اپنے سب قویٰ کو معطل کر دیتے ہیں اور سوسائٹی پر بار ثابت ہوتے ہیں +

اسلام نے رہبانیّت اُڑا دی ۔ اِسلام نے سکھایا کہ دُنیا کے سب کاروبار بھی کرو

سب تعلقات بھی رکھو اور انہی کار و بار اور انہی تعلقات میں خدا کی رضا جوئی کرو۔ اسلام نے عبادات پر بڑا زور دیا ہے کہ انہی سے انسان کی روح اللہ تعالےٰ کا قرب حاصل کرتی ہے۔ اور یہی روح کے نشو و نما کے لئے خوراک ہیں۔ مگر عبادت کے طریق اور اوقات ایسے سکھائے ہیں کہ وہ دنیاوی فرائض کی بجا آوری میں ہرگز حائل نہیں ہوتے۔ بلکہ عبادت کا بڑا مقصود یہ بھی قرار دیا ہے کہ وہ انسان کو دنیوی فرائض کے پورا کرنے کے لئے تیار کرتی ہے۔ دنیا اور دین کو اس طرح ملا دینا یہ اسلام کی ایک عظیم الشان کارگزاری ہے۔

۲۔ یہودیت کی تعلیم تھی کہ دانت کے بدلے دانت اور آنکھ کے بدلے آنکھ نکالو۔ یہودی معاف نہیں کر سکتا۔ ہندو بھی کرم کی تعلیم کے ماتحت ہر قصور کی سزا دینے پر مجبور ہے۔ عیسائیت کی تعلیم تھی کہ اگر کوئی ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسری بھی آگے کر دو۔ یہ دونو تعلیمیں غیر طبعی ہیں۔

پہلی تعلیم نے یہودیوں اور ہندوؤں کو سنگدل بنا دیا۔ دوسری تعلیم قطعاً نا قابل عمل ثابت ہوئی اور جن لوگوں نے کسی حد تک اس پر عمل کرنے کی کوشش کی اُن کو اُن کے دشمنوں نے تباہ کر دیا۔

اسلام نے زیادتی کرنے والوں کی اصلاح اور سوسائٹی کے امن کو مد نظر رکھ کر یہ تعلیم دی کہ اگر سزا کے بغیر اصلاح نہ ہوتی ہو تو قصور کے موافق اندازے سے سزا دو اور ضرور دو۔ لیکن اگر معاف کرنے سے اصلاح ہوتی ہو تو معافی بہتر ہے۔

۳۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت سے پہلے ہر شخص کو اختیار تھا کہ جتنی عورتیں چاہے نکاح میں لے آوے۔ بنی اسرائیل کے بعض بادشاہوں کے ہاں کئی سو بیویاں تھیں۔ ہندوؤں میں بھی غیر محدود کثرت ازدواج کا رواج تھا۔ اس کے برخلاف حضرت مسیح نے شادی نہیں کی۔ آپ کی تقلید میں مسیحیت کے دوسرے بڑے بڑے

معلموں نے بھی عورت کو ناپاک سمجھ کر شادی کی مذمت کی اور اس وجہ سے عیسائیوں میں رہبانیت کا رواج پڑ گیا۔ غیر محدود کثرتِ ازدواج نے عورت کو ایک کھلونا بنا دیا اور مردوں میں غیر محدود عیش و عشرت کی رغبت پیدا کر دی۔ اور خاندانوں میں بد امنی پیدا کر کے سوشل زندگی کو برباد کر دیا +

رہبانیت نے عورت کا درجہ چوپاؤں سے بھی نیچے گرا دیا ۔ خفیہ بدکاری کو خوفناک حد تک عام کر دیا اور خانقاہوں کو چکلوں سے بد تر بنا دیا +

اسلام نے ایک طرف رہبانیت کو خلاف فطرت قرار دے کر قطعًا موقوف کر دیا اور نکاح کو لازم قرار دیا ۔ اور دوسری طرف کثرت ازدواج کو محدود کر کے اُس کے ساتھ ایسی کڑی شرائط لگا دیں کہ سوائے مخصوص حالات کے آدمی ایک سے زیادہ نکاح کر سکتا ہی نہیں ۔ اور یہی فطرت کا منشار ہے +

۴ ۔ بعض مذاہب کی رو سے مرد و

عورت کے درمیان جب ایک دفعہ زوجیت کا تعلق ہو گیا تو پھر وہ ٹوٹ نہیں سکتا عیسائیت اور ہندو مذہب کی یہی تعلیم ہے۔ اس غیر طبعی قید کا یہ نتیجہ ہے کہ لاکھوں گھر دوزخ بنے ہوئے ہیں۔ چونکہ موت کے بغیر نجات نہیں اس لئے مرد و عورت زہر سے یا کسی اور ذریعہ سے ایک دوسرے سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان حالات سے متاثر ہو کر مہذب دنیا کو مجبورًا طلاق کا قانون پاس کرنا پڑا ہے +

اس کے برخلاف بعض قوموں میں طلاق کے معاملہ میں کسی قسم کی روک نہ تھی اور اس وقت بھی یورپ اور امریکہ میں طلاق بڑی آسان ہو گئی ہے جس سے سوشل نظام کے درہم برہم ہونے کا اندیشہ ہو رہا ہے۔ پرانے عربوں میں تو یہ دستور تھا کہ جب چاہا عورت کو چھوڑ دیا اور پھر جب جی چاہا اس کو گھر واپس بلا لیا۔ گویا زوجیت کا تعلق ان کے نزدیک بچوں کا کھیل تھا +

اِسلام نے یہاں بھی اعتدال کا راستہ سِکھایا۔ جب پوری طرح ثابت ہو جائے کہ شادی سے وہ مقصد پُورا نہیں ہوتا جو مطلُوب تھا اور شادی مرد و عورت دونو کے لئے یا دونو میں سے ایک کے لئے زندگی کو دوزخ بنا رہی ہے تو اِسلام نے بحالت مجبُوری طلاق کی اجازت دی ہے۔ اِتنے سو سالوں کے بعد مہذب دُنیا بھی اسی طرف آ رہی ہے۔

جنگ کی اِصلاح

اِنسان جب سے دنیا میں پیدا ہوئے ہیں۔ اُن میں برابر جنگ ہوتی رہی ہے۔ جنگ کے مختلف اسباب ہوا کرتے ہیں۔ بعض غریب وحشی قومیں اپنی دولت مند ہمسایہ قوموں سے جنگ چھیڑ دیتی ہیں کہ

اُن کی دولت لُوٹ لیں۔ سلطنت روما کے ساتھ وسطی یورپ کے وحشیوں کی اور جنوبی ایشیا کے ساتھ وسط ایشیا کے مغلوں کی جنگیں صرف لوٹ مار کے لئے تھیں +

اکثر جنگیں اس لئے ہوتی ہیں کہ حریص بادشاہ اپنی سلطنت کو وسیع کرنا چاہتے ہیں اور اس لئے اپنے کمزور ہمسایوں پر فوج کشی کر دیتے ہیں کبھی جنگ کا سبب جوش انتقام ہوتا ہے۔ سرویا میں آسٹریا کا شاہزادہ مارا گیا۔ آسٹریا نے انتقام لینے کے لئے سرویا پر فوج کشی کر دی اور اس سے جنگ عظیم شروع ہو گئی جس سے دنیا میں وہ بربادی پھیلی کہ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے +

از منۂ وسطیٰ میں جنگوں کی وجہ مذہبی عداوت بھی ہُوا کرتی تھی۔ بعض بادشاہ صرف اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے ہمسایہ قوموں سے جنگ کیا کرتے تھے +

یورپ کی قوموں کی ایشیا اور افریقہ کی

اقوام کے ساتھ آج کل کی جنگلیں اس غرض سے کی جاتی ہیں کہ مفتوحہ ملک فاتح قوموں کی مصنوعات کی منڈیاں بنیں اور ان ملکوں کی خام پیدا وار فاتح ملکوں کی صنعتی ضروریات کے لئے اُن کے ہاتھ آوے دُنیا کی آئندہ جنگیں مذکورہ بالا غرض سے اور طاقتور قوموں کی باہمی رقابت اور حسد سے ہُوا کریں گی +

جنگ میں اِنسانوں کے حیوانی جذبات اس حد تک مشتعل ہو جاتے ہیں کہ وہ انسانیت کی حد سے بالکل نکل جاتے ہیں۔ مغلُوب دشمن کا گھر بار جا دینا۔ اُن کے کھیتوں کو تباہ کر دینا۔ عورتوں بچوّں کو قتل کر دینا عورتوں کی بے حرمتی کرنا۔ عبادت گاہوں کو مسمار کر دینا۔ کتب خانوں کو جلا دینا۔ مفتوحہ ملکوں کی ساری دولت کو لوٹ لینا اور ہر قِسم کی وحشیانہ حرکات کا مرتکب ہونا یہ باتیں جنگوں کے لوازم تھیں اور ان میں سے اکثر اب بھی ہیں۔ یورپ کی جنگ عظیم میں قریباً دو کروڑ تندرست جوان ہلاک ہوئے اور شاید

اتنے یا ان سے زیادہ زخمی ہو کر بیکار ہو گئے اور خوف و ہراس - بھوک اور دُوسرے دُکھ درد کا جو جنگ کے لوازم میں سے ہے اندازہ لگانا انسانی طاقت سے باہر ہے - کارو بار بند ہو گئے - تجارت رُک گئی اور دولت کا اتنا نقصان ہُوا کہ قیاس میں نہیں آ سکتا - یہ سب اِس لئے ہُوا کہ عیسائی مذہب نے جنگ کے متعلق کوئی ہدایات نہیں دی تھیں +

رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت سے پہلے اہل عرب جنگ کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی ضرورت اور بعد میں اپنی زندگی کا سب سے پیارا مشغلہ سمجھتے تھے - ان کی باہمی جنگیں لُوٹ مار اور اِنتقام کے لئے ہوتی تھیں ان روز مرہ کی جنگوں نے عربوں کے دِل اس قدر سخت کر دِئے تھے کہ اُن کے دلوں میں دشمن کے لئے ذرہ بھر بھی رحم نہیں ہوتا تھا - جن وحشیانہ طریقوں سے وہ مغلوب دشمن کے ساتھ سلوک کرتے تھے اس کی مختصر تفصیل یوں ہے - کہ اُن

کے ہاتھ۔ پاؤں۔ ناک۔ کان کاٹ کر اُن کے
ہار بناتے اور گلے میں پہنتے۔ مقتولوں کے
دل اور کلیجے نکال کر چباتے۔ قیدیوں کو زندہ
جلا ڈالتے۔ اُن کو قتل کرکے اُن کی کھوپریوں
میں شراب پیتے۔ ہاتھ پاؤں کاٹ کر چھوڑ
دیتے۔ یہاں تک کہ بیچارا بھوکا پیاسا تڑپ
تڑپ کر جان دے دیتا۔ بچوں پر تیر اندازی
کی مشق کرتے۔ عرب کے علاوہ دوسرے ملکوں
میں بھی قریب ایسے ہی حالات تھے؛
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا دُنیا پر
یہ بہت ہی بڑا احسان ہے کہ آپ
نے جنگیں قطعاً حرام کر دیں۔ صرف اُن
حالات میں جنگ کی اجازت دی کہ دشمن
مذہبی آزادی میں خلل انداز ہوں فرائض
مذہبی کی بجا آوری سے روکیں کمزوروں
اور بیکسوں پر ظلم کریں ملک میں فساد
پھیلا دیں۔ اور بلا وجہ چڑھ کر آ جائیں۔
ان حالات میں بھی اگر فساد روکنے کے
دیگر ذرائع ناکام ثابت ہوں اور مجبوراً

جنگ کرنی پڑے تو تاکید ہے کہ زیادتی
نہ کرو - سوائے اُن لوگوں کے جو چڑھ کر آئے
ہوں اور کسی کو نہ چھیڑو - عورتوں بوڑھوں اور
بچوں کو دُکھ مت دو - کھیتوں کو ویران نہ
کرو - بے ضرورت خون ریزی نہ کرو - اور
جب دشمن زیادتی سے توبہ کر لے اور
فساد کا احتمال باقی نہ رہے تو تلوار نیام
میں کر لو - ہم دعوےٰ سے کہتے ہیں کہ مہذب
سے مہذب قومیں بھی ابھی اس معیار پر پوری
نہیں اُترتیں - جنگ میں جس قدر وحشیانہ افعال
کا ارتکاب ہوتا تھا آپ نے سب کو بند کر
دیا - اسیران جنگ سے ایسا سلوک کیا جانے
لگا جیسے عزیز مہمانوں سے ہوتا ہے - جن
جن مسلمانوں کو قیدی سپرد کئے جاتے
وہ اُن کو اپنے سے بہتر کھانا دیتے
اور اُن کے لئے سب آرام کے سامان
مہیا کرتے - جنگ کی تاریخ میں یہ ایک
عظیم الشان انقلاب تھا جو آپ کے وجود
سے ظہور میں آیا - اسلام کا جہاد ایک

مقدس فرض تھا جو ایک ضرورت حقہ کو پورا کرنے
کے لئے کیا جاتا تھا۔ آپ نے ارشاد
فرمایا کہ جہاد خدا کی رضا جوئی کے لئے کرو۔
جو شخص لوٹ کی طمع دل میں رکھ کر جہاد
میں شامل ہوتا ہے وہ مجاہد نہیں ہے
ڈاکو ہے۔ آپ نے دشمن کے مال و
اسباب کو لوٹنا قطعاً ناجائز قرار دیا۔ مہذب
سے مہذب قوموں کے سپاہی بھی قوم
کے بدترین طبقہ سے بھرتی کئے جاتے
ہیں اور کوئی گندی سے گندی بدی
نہیں ہوتی جس کے وہ مرتکب نہیں ہوتے
آج کل کی مہذب قوموں کے سپاہی شراب
کے نشہ میں مفتوحہ ملکوں کے اندر جا کر
کیا کچھ نہیں کرتے۔ مگر اسلام کا سپاہی
مجاہد فی سبیل اللہ ہوا کرتا تھا۔ وہ عورتوں
بوڑھوں اور بچوں کا محافظ ہوا کرتا تھا۔
اُس کے دل میں وحشیانہ جذبات کی بجائے
خوفِ خدا ہوتا تھا۔ وہ امن کا حامی اور
فساد کا دشمن ہوتا تھا۔ جنگوں میں جاتا تو

شراب کی بُو کے بدلے اُس کے مُنہ سے تکبیر کے نعرے نکلتے - نماز کا وقت ہوتا تو اسلامی فوج آدھی دُشمن کے مقابلہ میں ڈٹ جاتی اور آدھی اپنے خدا کے آگے سربسجُود ہو جاتی - اسلام کا سپاہی جب جہاد سے فارغ ہوتا تو دُنیا کے کاروبار میں لگ جاتا۔ جنگ اس کا پیشہ نہیں ہوتا تھا +

حُرمتِ شراب

شراب کے نشہ میں انسان کیا کیا احمقانہ باتیں نہیں کرتا اور کونسی بدی ہے جس پر دلیر نہیں ہو جاتا - ہم نے شرابیوں کو اپنی بہنوں اور بہو بیٹیوں کی آبرو پر ہاتھ ڈالتے دیکھا ہے - جو لوگ قتل اور دیگر جرائم کے لیئے جیل میں جاتے ہیں اُن میں زیادہ تعداد شراب خوروں کی ہوتی ہے جنھوں نے شراب کی بد مستی میں ان جرائم

کا ارتکاب کیا شرابیوں کی بہت سی تعداد پاگل
ہو جاتی ہے اور اُن میں سے بہت سے
بے وقت مر جاتے ہیں +

شرابی سخت خود غرض ہو جاتا ہے۔ اس
کی زیادہ تر آمدنی شراب کی نذر ہو جاتی
ہے۔ اُسے شراب کی پیاس بجھانے کے
لئے نہ بی بی بچوں کے آرام کی پروا ہوتی
ہے اور نہ اُن کی صحت کی۔ بعض شرابی
اپنا سب کچھ بیچ باچ کر پی ڈالتے ہیں۔ اور
بی بی بچوں کو بے خان و مان کر دیتے ہیں
حد سے زیادہ شراب پینے والا سوسائٹی میں
جس قدر ذلیل اور رُسوا ہوتا ہے اور کوئی
نہیں ہوتا۔ غرض شراب سے بڑھ کر انسان
کے اخلاق اس کی صحت۔ اس کی دولت
اُس کے گھر کے امن و انتظام اور پھر
عام سوسائٹی کے امن کا دشمن اور کوئی نہیں
یورپ کے لوگوں کی آمدنی کا تیسرا حصّہ
شراب کی نذر ہو جاتا ہے اور جیل خانے
زیادہ تر اسی کی بدولت بھرے ہوتے ہیں +

تعجب ہے یورپ اور امریکہ کے داناؤں نے اس بیسویں صدی میں آکر ان خرابیوں کو محسوس کیا ہے اور اب شراب کے انسداد کی فکر میں لگے ہیں اور اگر نیک دل لوگوں کے مشورے غالب آ گئے تو ممکن ہے کہ اس ظالم شراب کا انسداد ہو جاوے۔

دنیا میں ہزاروں مصلح ہوئے ہیں۔ جنھوں نے بنی آدم کی اصلاح کے لیے بڑے بڑے کام کئے ہیں۔ لیکن آخر کیا بات ہے کہ سوسائٹی کے اس بد ترین دشمن کا انسداد کسی سے نہیں ہوا۔ عیسائی ملکوں میں چپے چپے پر شراب خانے ہیں۔ مردوں کا تو کیا ذکر عورتیں اور بچے بھی نشے میں چور بازاروں میں لڑکھڑاتے پھرتے ہیں اور نشہ کی حالت میں وہ وہ حرکتیں کرتے ہیں جن کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے۔ آدھی دنیا کے ملک جہاں رسولِ عربی صلے اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا بستے ہیں وہاں خبر بھی نہیں ہوتی کہ شراب چیز

کیا ہے۔ کیا صرف یہ ایک بات رسُول عربی صلے اللہ علیہ وسلم کو دُنیا کے سب مصلحوں اور نبیوں میں سب سے بلند مقام پر کھڑا نہیں کرتی۔ یقیناً آپ دنیا کے سب سے بڑے محسن تھے اور رحمتہ اللعالمین کا لقب صرف آپ ہی کو سجتا ہے ؛

جن اِسلامی مُلکوں میں عیسائی قوموں کا کچھ اثر ہے وہاں عیسائیوں کی دیکھا دیکھی ممکن ہے بعض مُسلمان بھی شراب خواری کے مرض میں مُبتلا ہو جاتے ہوں مگر وہاں بھی ان کی تعداد غیر مُسلموں کے مقابلہ میں نہایت ہی قلیل ہوگی ؛

مذہبی روا داری

مذہبی روا داری یہ ہے کہ ہر ایک شخص اپنے مذہبی عقائد میں اور مذہبی فرائض کی بجا آوری میں بالکل آزاد ہو اور کوئی شخص مذہبی اختلاف کے سبب نہ کسی سے دل میں بغض رکھے اور نہ اُس سے کسی قسم کی بد سلوکی ہی کرے۔ اس کے علاوہ ہر شخص اپنے مذہبی خیالات کی اشاعت میں بالکل آزاد ہو +

مذہبی روا داری کے نہ ہونے سے دُنیا میں جو تباہی ہوتی ہے۔ اُس کا اندازہ کرنا ہو تو یورپ کی گذشتہ دو ہزار سال کی تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ یورپ والوں نے مذہبی اختلاف کے سبب جو جنگیں مسلمانوں سے کیں اور جو صلیبی جنگوں کے نام سے مشہور ہیں وہ کوئی تین سو برس تک جاری رہیں۔ اِن جنگوں میں

جو خونریزی ہوئی اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جس قدر عیسائی مارے گئے اُن کی تعداد بیس لاکھ سے زائد تھی اور مُسلمان جن کے مُلک پر یہ وحشی چڑھ کر آئے تھے اُن کے مصائب کے بیان کرنے کی زبان میں طاقت نہیں۔ صرف اُن کا تصوّر ہی ہو سکتا ہے +

لکھا ہے کہ ایک دفعہ جب عیسائیوں نے یروشلم کو فتح کر لیا تو ستر ہزار کے قریب ایسے مسلمانوں نے جو لڑنے کے قابل نہیں تھے اور اس لئے وہ علمار عورتیں اور ضعیف العمر لوگ ہوں گے مسجد عمر میں جاکر پناہ لی۔ اس خیال سے کہ شاید عیسائی مسجد کے احترام کے خیال سے ان کو نہ تیغ نہ کریں۔ مگر مذہبی جنون اور مسجد کا احترام ا عیسائیوں نے ان سب کو مسجد کے اندر ہی ذبح کر ڈالا اور ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا +

یورپ کی صرف ایک مذہبی جنگ جو شمال کے پراٹسٹنٹ ملکوں اور جنوب کے رومن

کیتھولک ملکوں کے درمیان ہوئی برابر تیس سال تک ہوتی رہی اور اس سے یورپ تقریباً برباد ہو گیا۔

پھر مذہب کے پیشواؤں نے حکومت کی امداد سے ذرا بھی آزادی خیال کا اظہار کرنے والوں کو جس طریق سے دُکھ دیا اور اُن کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کی اس کی تاریخ پڑھنے سے دل ہل جاتا ہے اور بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ لاکھوں آدمی ذرا سے مذہبی اختلاف کے سبب زمین دوز قید خانوں میں گُھٹ گُھٹ کر مر گئے۔ ہزاروں طرح کے عذاب سے ہلاک ہوئے۔ ہزاروں جلا دیے گئے۔ سینکڑوں عالم جنھوں نے کوئی علمی انکشاف کیا جو بظاہر پادریوں کی رائے کے خلاف معلوم ہوا تو اُن کو بھی آگ کے شعلوں کی نذر کیا گیا۔ دُوسرے مذاہب کے لوگوں کے بڑے بڑے قیمتی کتب خانے جلا ڈالے گئے۔ اور اس طرح صدیوں کی محنت سے جمع کیے ہوئے علمی خزانے

مذہبی جنون کی بھینٹ چڑھا دیے گئے +

اس مذہبی روا داری کے فقدان سے ایک ہی مقام کے رہنے والے آج کل بھی آپس میں بلا وجہ بر سرپیکار رہتے ہیں۔ ایک دوسرے سے دل میں سخت نفرت رکھتے ہیں جس کے سبب آپس میں کسی طرح کے سوشل تعلقات نہیں رکھتے +

پھر عیسائی پادریوں کی تحریریں پڑھو تو معلوم ہوگا کہ اسی صفت کے نہ ہونے سے وہ اسلام کے متعلق ایسے ایسے جھوٹ بولتے ہیں کہ پڑھنے والوں کو ہنسی آتی ہے۔ اُن کی تقلید میں ہندو بھی جو کچھ اسلام کے متعلق لکھتے ہیں وہ بھی دروغ اور افترا پردازی کا ایک مجموعہ ہوتا ہے۔ الغرض مذہبی روا داری کا نہ ہونا علمی ترقی کا سب سے بڑا مانع ہے۔ جنگ اور خونریزی کا سب سے بڑا محرک ثابت ہوا ہے۔ بہت سی بد اخلاقیاں پیدا کرتا ہے اور سوشل امن کا بہت بڑا دشمن ہے +

دُنیا کے مصلحین میں سب سے واضح اور سب سے بلند آواز جس شخص نے مذہبی روا داری کی حمایت میں اُٹھائی وہ کون تھا؟ تاریخ اس سوال کا جواب دیگی کہ وہ رسُول عربی صلے اللہ علیہ وسلم تھا - لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ دُنیا کی تاریخ میں مذہبی آزادی کا میگنا چارٹا ہے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف مذہبی روا داری کی تعلیم ہی دی بلکہ سب قسم کی طاقت اور اقتدار کے ہوتے ہوئے اپنے دشمنوں کی مذہبی آزادی کا احترام کیا اور اس طرح اپنے آپ کو دُنیا کا مُصلح اعظم ثابت کیا +

مساواتِ انسانی

بہت کم قومیں دُنیا میں ایسی گذری ہیں جن میں سوسائٹی طبقوں میں تقسیم نہ ہو - یہ طبقے زیادہ تر دولت یا پیشہ کی بنا پر ہُوا کرتے ہیں - دولتمند اعلیٰ طبقہ میں شمار

ہوتے ہیں اور غریب ادنیٰ طبقہ کہلاتے ہیں۔
بعض پیشے اعلےٰ سمجھے جاتے ہیں اور بعض
ادنےٰ ۔ اعلیٰ پیشوں والے اعلیٰ طبقہ میں شمار
ہوتے ہیں اور ادنےٰ پیشوں والے ادنیٰ میں
اور بھی کئی اسباب ہیں جن کی بنا پر اِنسان
اعلیٰ یا ادنےٰ طبقوں میں تقسیم ہوتے ہیں
اعلےٰ طبقوں کے لوگ قدرتاً مقتدر ہوتے ہیں۔
اس لِئے وہ مُلک کے توانین میں اپنے
لئے بڑے بڑے حقُوق مخصُوص کر لیتے ہیں
اور ادنےٰ طبقہ کے لوگوں کو خادم سے زیادہ
درجہ نہیں دیتے ۔ روز مرّہ کے معاملات میں
ادنیٰ طبقہ کے لوگوں سے سخت بد سلوکی
روا رکھی جاتی ہے ۔ صرف ہندوستان کی
مثال لو جہاں کے باشندے اپنے مُلک کو
سب قِسم کی تہذیب کا منبع قرار دیتے ہیں
یہاں برہمن کا رُتبہ خُدا سے کچھ ہی کم ہے
وہ خواہ کیسا ہی جرم کیوں نہ کرے ۔ اُس
کے لئے کوئی سزا نہیں ۔ لیکن شودر اگر
وید پڑھے تو حکم ہے کہ اُس کے مُنہ

میں سیسہ پگھلا کر ڈال دو۔ اس کا فرض ہے سوسائٹی کے ذلیل سے ذلیل کام کر دینا۔ اس سے زیادہ اُس کا کوئی حق نہیں۔

یہ اُس وقت تھا جب ہندوستان میں منو کا قانون رائج تھا۔ مگر آج کل کیا ہے؟ ہندوستان کے چھ کروڑ باشندے اچھوت کہلاتے ہیں۔ یہ اگر کسی دو جنمے ہندو کو چھو جاویں تو وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ جنوبی ہند میں برہمن اتنے پاک اور یہ اچھوت اتنے ناپاک ہیں کہ اگر کوئی اچھوت کسی برہمن سے ساٹھ گز کے فاصلہ پر بھی گزر جائے تو برہمن بھرشٹ ہو جاتا ہے۔ اچھوتوں کے کوئیں الگ۔ مندر الگ۔ راستے الگ۔ سکول الگ۔ محلے الگ غرض ان کا درجہ ادنےٰ سے ادنےٰ حیوانوں سے بھی نیچے سمجھا جاتا ہے۔

یہ تو بعض ملکوں میں انسانوں کے باہمی تعلقات ہیں۔ اب قوموں کے باہمی تعلقات کو لو۔ ہر قوم اپنے آپ کو دوسری قوموں سے اعلیٰ خیال کرتی ہے۔ امریکہ اور یورپ

کے سفید رنگ والے باشندے ایشیا اور افریقہ کی قوموں کو نہایت ادنیٰ خیال کرتے ہیں اور اُن سے کسی حالت میں بھی برابری کا سلوک کرنے کو تیار نہیں۔ امریکہ میں کروڑوں حبشی آباد ہیں اور وہ امریکہ کے دوسرے باشندوں کی طرح عیسائی ہیں۔ مگر سفید رنگ کے امریکن کالے رنگ والے امریکنوں سے جس قسم کا سلوک کرتے ہیں وہ اخبار بین لوگوں سے پوشیدہ نہیں۔ چند سال گزرے ہیں ایران میں شاید کچھ انگریز سپاہی مارے گئے۔ اِس پر اخبار ٹائمز نے نہایت طیش میں آکر لکھا تھا کہ ہزاروں ایرانیوں کا خون گورہ کے خون کے ایک قطرہ کے برابر بھی نہیں +

دُنیا میں اہل بھی ہیں جو اس تفریق اور قومی غرور کو دیکھ کر کڑھتے ہیں۔ کیونکہ یہ تفریق بڑے ظلم کا موجب ہے۔ اور اس کے سبب سے دُنیا کروڑوں انسانوں کے لِئے جہنم سے کم نہیں۔ کِسی اچھوت ہندو

سے پوچھو وہ بتائے گا کہ اُس کی زندگی
اُس کے لئے وبال ہے کہ نہیں۔ علاوہ اس
کے اسی تفریق کے سبب لاکھوں ادنےٰ
طبقہ کے اِنسان جن کو خدا تعالیٰ نے اعلےٰ
دماغ دئے ہیں اپنے جوہر دکھانے کا موقع
نہیں پاتے۔ اور اس طرح دُنیا کو لا انتہا
علمی اور مالی نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔ سب
سے بڑا نقصان یہ ہے کہ جس مُلک میں قوم
اس طرح طبقوں میں تقسیم ہو وہاں متحد قومیت
ایک خواب و خیال ہوتا ہے +

رسولِ عربی صلے اللہ علیہ وسلم دنیا میں پہلے
اِنسان تھے جنہوں نے مساوات اِنسانی کا
نہ صِرف سبق دیا بلکہ اپنی اُمت کو یہ سبق
اپنی زندگی ہی میں خوب یاد کرا دیا۔ اس کی
مجلس میں حبشی بھی تھے اور عرب بھی۔
ایرانی بھی تھے اور رومی بھی۔ بلند ترین طبقے
کے قریش بھی تھے اور ادنےٰ سے ادنیٰ طبقے
کے غلام بھی۔ مگر اس کی غلامی میں داخل
ہوتے ہی سب تفریق مٹ گئی۔ ایران

اکرمکم عند اللہ اتقٰکم۔ عزت تقویٰ پر ہے۔ ذات پر یا قوم پر نہیں۔ قانون کی نگاہ میں سب برابر ہیں۔ ترقی کرنے اور ذاتی جوہر دکھانے کے راستے سب کے لئے یکساں کھلے ہیں۔ خدا کے روبرو سب برابر ہیں۔ یہ سماں دُنیا کی تاریخ میں پہلے کبھی نظر نہیں آیا تھا۔ اور اب اگر سوائے اسلامی ممالک کے کہیں نظر آتا ہے تو یہ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہی تعلیم کا اثر ہے +

اِنسانی مساوات کو اس طرح قائم کر دینا یہ رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کا ایسا کارنامہ ہے کہ جس پر مُسلمان جتنا بھی فخر کریں بجا ہے +

توہم پرستی کا اِنسداد

صحیح علم نہ ہونے سے واقعات کے غلط اسباب قرار دئے جاتے ہیں اور اشیار اور انسانوں کی طرف غلط طاقتیں منسوب کی جاتی ہیں۔ یہی توہم پرستی ہے۔ ایک شخص کو کوئی دماغی عارضہ ہے۔ توہم پرست کہتا ہے کہ اس پر جن بھوت کا سایہ ہے۔ ایک شخص جس کو دوسروں سے بہتر دماغ ملا ہے۔ کوئی کل ایجاد کرتا ہے۔ جاہل کہتا ہے کہ یہ جادو گر ہے اور یہ کل اس نے شیطان کی مدد سے بنائی ہے۔ کوئی مر جاتا ہے اور اس کی موت کا ظاہرا کوئی سبب نظر نہیں آتا۔ جاہل کہتا ہے کہ فلاں ڈائن نے اسکا کلیجہ نکال کر اس کو ہلاک کیا ہے +

اس توہم پرستی سے اِنسانوں کو جو جو دُکھ پہنچے ہیں اُس کی تفصیل بڑی لمبی ہے۔ یورپ اور امریکہ میں کِسی زمانہ میں بائیبل

کی تعلیم کے اثر سے ڈائنوں اور جادو گروں
پر اعتقاد بڑا عام تھا۔ اس اعتقاد کی بدولت
ہزاروں لاکھوں بوڑھی عورتیں اور عالم لوگ زندہ
جلا دئے گئے۔ کوئی بوڑھی غریب عورت محفوظ
نہیں ہوتی تھی۔ ذرا کسی کے گھر کوئی حادثہ
ہو گیا۔ اس نے فوراً محلہ کے پادری کو اطلاع
دی۔ بس پھر کیا تھا بوڑھی عورت فوراً پادری
کے سامنے لائی جاتی اور کچھ سوال و جواب
کے بعد حکم ہوتا کہ اُسے زندہ جلا دو یا
گلے میں پتھر باندھ کر پانی میں ڈبو دو۔
اس توہم پرستی کا ایک نہایت ہی مضر
نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ وباؤں کے غلط علاج
تجویز کئے جاتے تھے اور اس سے خطرناک
تباہی پیدا ہوتی تھی۔ یورپ میں پلیگ پھیلا
بجائے اس کے کہ طبی قواعد کے مطابق اس
کا سبب تلاش کر کے اس کا علاج نکالا جاتا
اس کو روحانی اسباب کا نتیجہ قرار دیا گیا۔
اور اس کے انسداد کے لئے پادریوں نے
چلے کھینچے اور اپنے آپ کو بدنی ایذا دینے

پر قناعت کی ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ کی ایک تہائی آبادی فنا ہو گئی ۔ آج کل بھی ایسے واقعات بکثرت ہوتے رہتے ہیں کہ کسی شخص کو دماغ کا عارضہ ہے ۔ اُس کے معالج اس خیال سے کہ اس پر جن کا سایہ ہے اُس کو گرم لوہے سے دماغ دیتے ہیں ۔ اُسے مرچوں کی دُھونی دیتے ہیں ۔ اور دیگر اس قسم کی تکالیف پہنچاتے ہیں جس سے اکثر اوقات مریض تکلیف کے مارے مر جاتا ہے ۔ اکثر بیماریوں میں لوگ قبروں پر جا کر چڑھاوے چڑھاتے ہیں ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیمار صحیح علاج نہ ہونے سے راہی مُلک عدم ہو جاتا ہے ۔ جن بھوت وغیرہ کا اعتقاد اس مُلک میں چھوٹے بچوں کے لئے ایک بڑے عذاب کا موجب ہوتا ہے اور ان خیالی چیزوں کی دہشت بعض اوقات بڑی عمر میں بھی دل سے نہیں نکلتی ۔ اس اعتقاد کے سبب بعض مکان اُجڑ جاتے ہیں کوئی وہاں آباد نہیں ہوتا اس خیال سے کہ

وہ جنوں کی بستی ہے ٭

رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شان اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ آپ کی معقول تعلیم نے ہمیشہ کے لئے ایسے فاسد اعتقادات کا انسداد کر دیا اور صحیح علم کی طرف اِنسانوں کی توجہ دلاکر سوسائٹی کے بیشمار دُکھوں کا خاتمہ کر دیا ٭

عِلم کی عام اشاعت

رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے زمانے کو زمانہ جاہلیّت کہا جاتا ہے۔ اس سے پہلے دُنیا میں علوم تو تھے۔ مگر اُن کی اشاعت چند افراد تک محدُود ہوا کرتی تھی۔ سوسائٹی کے ہر فرد پر حصُول علم لازم نہ تھا۔ پادریوں نے تو بائیبل تک کا پڑھنا عوام کے لئے حرام قرار دے رکھا تھا۔ علوم طبعی کی یہ حالت تھی کہ اگر کسی نے کوئی نیا علمی

انکشاف کیا تو اُس پر فوراً جادو گری کا فتویٰ لگ جاتا تھا ۔ پُر جوش عیسائی پادریوں نے بڑے بڑے عظیم الشان کتب خانے جلا ڈالے ۔ چونکہ آزادیٔ خیال بالکل نہیں تھی اِس لئے اگر کبھی غیر معمولی ذہین آدمی کے دماغ میں کوئی نئی بات آ جاتی تو وہ اُس کا اظہار نہیں کر سکتا تھا ۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ نہ تو علم کی عام اشاعت ہو سکتی تھی اور نہ علمی ترقی کا امکان تھا ۔

رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی آمد سے جو عظیم الشان انقلاب دُنیا میں ہُوا۔ اُس کا ایک بڑا اہم پہلو یہ ہے کہ دُنیا کو آزادیٔ خیال مِل گئی اور آپ کے عملی نمونے اور آپ کی تعلیم نے عام اشاعت علُوم کے دروازے کھول دئے ۔ آپ کی بعثت سے پہلے عرب میں جو لوگ پڑھ لکھ سکتے تھے وہ انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے ۔ مگر اسلام کے قیام کے ساتھ ہی ہر جگہ درس وتدریس کا سلسلہ جاری ہو گیا ۔ آپ نے علم حاصل

کرنا ہر مسلمان پر فرض قرار دیا ۔ فرمایا "اطلبو العلم ولوکان فی الصین" "اطلبوا العلم من المهد الی اللحد" اسی مضمون کے بہت سے اور ارشادات ہیں جن میں علم حاصل کرنے کی سخت تاکید کی گئی ہے ۔ پھر قرآن مجید نے یہ فرماکر کہ کائنات میں جو کچھ ہے وہ سب کچھ انسانوں کے لئے مسخر کیا گیا ہے ۔ اور ایک دوسری جگہ مومن کی یہ تعریف کر کے کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں مسلمانوں کو اس طرف توجہ دلائی کہ وہ نیچر کے خواص کی جستجو کریں اور اس کے خفیہ خزانوں کو ڈھونڈھ نکالیں اور اپنے کام میں لائیں ۔ انہی تعلیمات کا اثر تھا کہ اسلام کے قیام کے چند ہی سال بعد اسلامی دنیا میں علوم کی اشاعت اس قدر عام ہو گئی کہ گھر گھر مدرسہ بن گیا ۔ اور مسلمانوں کی یونیورسٹیوں سے دور دراز ملکوں کے عیسائی اور یہودی آکر فیضیاب ہونے لگے ۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے ۔ کہ

مسلمانوں نے اس وقت کی دنیا کے سب علوم بڑی محنت اور جستجو کے بعد جمع کئے اور اُن میں بہت کچھ اضافہ کرکے انہیں دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دیا۔ یورپ نے جو کچھ سیکھا انہی مسلمانوں سے سیکھا اور حقیقت میں یورپ کی جدید تہذیب کے بانی ہمارے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔

دولت کی تقسیم کا مسئلہ

یورپ اور امریکہ میں جن کو اپنی تہذیب پر بڑا ناز ہے یہ حالت ہے کہ وہاں ایسے ایسے امراء ہیں جن کی دولت شمار میں نہیں آسکتی۔ اُن کے ساتھ ہی کثیر تعداد ایسے لوگوں کی ہے جن کو پیٹ بھر کر کھانا اور بدن ڈھانکنے کے لئے کپڑا بھی میسّر نہیں ہوتا۔ لاکھوں آدمی ایسے ہیں جن کے سر چھپانے کو جگہ نہیں۔ یہ نظارہ صرف عیسائی یورپ ہی میں نظر آتا ہے کہ آدمی روٹی

اور کپڑا نہ ملنے سے سردی اور بھوک کے مارے گلیوں میں مر جاتے ہیں۔ اور عجیب تر بات یہ ہے کہ امراء کو ان جگر دوز واقعات کا علم ہوتا ہے مگر وہ دولت کے نشہ میں پروا نہیں کرتے ◆

یہ حالات سینکڑوں برسوں سے چلے آتے ہیں۔ چونکہ مذہب نے اس عدم مساوات کا کوئی علاج نہیں بتایا اس لئے یورپ میں پچھلے سو برس میں ایسے گروہ پیدا ہو گئے ہیں جن کا صرف یہی مقصد ہوتا ہے کہ ان خود غرض دولتمندوں کو جس طرح ہو سکے تباہ و برباد کریں۔ فرانس کا عظیم الشان انقلاب بھی انہی حالات کا نتیجہ تھا اور موجودہ زمانہ میں روس کا انقلاب بھی ایسے ہی حالات سے پیدا ہوا ہے اور انارکسٹ۔ سوشلسٹ اور نہلسٹ وغیرہ فرقے بھی انہی اسباب نے پیدا کئے ہیں۔ اس وقت مغربی دُنیا کے عظیم ترین مسائل میں یہی دولت کی صحیح تقسیم کا مسئلہ ہے جس کا حل رُوس نے ایک ناقص سے

طریق پر کیا ہے ۔ مگر دُوسرے مُلک ابھی
تک اُسی پہلی روش پر چلے جا رہے ہیں +
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بڑے
کارناموں میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے
اس مسئلہ کا بھی ایسا حل کیا ہے ۔ جس سے
سے بہتر مُمکن نہیں اور یہی وجہ ہے کہ اسلامی
ممالک میں آج تک یہ مسئلہ خطرناک اور ناگوار
صُورت میں پیدا نہیں ہُوا ۔ اِسلام کی تعلیم کے
ماتحت ہر غریب ہر امیر کی دولت پر حق رکھتا
ہے ۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ ہر سال اپنے
مال میں سے ایک خاص رقم بیت المال میں
جمع کرائے ۔ جس سے حاکمِ وقت غُربا کی پرورش
کرے ۔ ہر دولتمند مُسلمان کا فرض ہے کہ
اپنے غریب رشتہ داروں کی خبر گیری کرے
پھر ہر مسلمان کا فرض ہے کہ صدقہ اور
خیرات سے اپنے غریب بھائیوں کی اِمداد کرے
اِن ہی تعلیمات کا نتیجہ ہے کہ اِسلامی
ممالک میں یورپ کی طرح غریب امیروں
کے حاسد نہیں ہوتے ۔ بلکہ اُن کے

شکر گذار ہوتے ہیں - اگر کسی شخص کو حاجت کے وقت قرضہ کی ضرورت پڑے تو کیا وہ کسی ہندو یا عیسائی سے بلا بھاری سُود کے قرضہ لے سکتا ہے ؟ مگر اِسلام نے سُود حرام کر کے حاجتمندوں کے لئے کیسی سہولت پیدا کردی ہے ؛

سوشل سروس

مغربی دُنیا عیسویت کی قید سے تقریباً آزاد ہو چکی ہے - آج کل وہاں کے لوگوں کا مذہب سوشل سروس ہے - جہاں تک ہمیں علم ہے کِسی دوسرے مذہب کے بانی نے اپنے قول اور فعل سے سوشل سروس کی تعلیم نہیں دی - لیکن ہم بڑے فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ سوشل سروس کے بانی بھی ہمارے رسُول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہی تھے - آپ بیماروں کی خبر گیری کیا کرتے تھے - جنازوں کے ساتھ

جایا کرتے تھے ۔ اور ہر رنگ میں سوسائٹی کی خدمت کیا کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو بھی ان باتوں کی تلقین کیا کرتے تھے ؛

مسلمان کا فرض قرار دیا کہ راستہ سے مُوذی چیزوں کو ہٹا دے ۔ بھُولے بھٹکے کو راستہ بتا دے ۔ بوجھ اُٹھانے والے کا بوجھ اُٹھوا دے ۔ ان پڑھ کو تعلیم دے ۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے ۔ اپنے کھانے میں سے غریب ہمسایہ کو دے ۔ بیمار کی خبر گیری کرے ۔ بیواؤں اور اپاہجوں کے کام کر دے ۔ مقروض کا قرضہ ادا کرے وغیرہ وغیرہ ؛

یورپ کو سوشل سروس پر بڑا ناز ہے ۔ مگر وہاں کے لوگوں نے اس زمانہ میں سوشل سروس سیکھی ہے اور ابھی یہ چند نیک دل افراد تک محدود ہے حالانکہ اسلامی ملکوں میں رسُول پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی برکت سے سوشل سروس چودہ سو برس سے وسیع پیمانے پر جاری ہے ؛

اِن بڑی بڑی اصلاحات کے علاوہ جن

کی اوپر مختصر تفصیل دی گئی ہے رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہمہ گیر تعلیم نے زندگی کے ہر شعبہ پر گہرا اور دیرپا اثر ڈالا ہے۔ یہاں تک کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس زمانہ کے یورپ کی تہذیب میں جتنی اچھی باتیں ہیں ان میں کوئی ایسی نہیں جس پر رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا بالواسطہ یا بلا واسطہ اثر نہ ہو اور جتنی بُری باتیں ہیں وہ اس لئے آئی ہیں کہ اُن کے متعلق آپ کی کھلی کھلی تعلیم کو نظر انداز کر دیا گیا۔

رسُول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مُعجزات

عام طور پر معجزہ ایسے واقعہ کو کہتے ہیں۔ جو ظاہر میں قوانین قدرت کے خلاف نظر آوے۔ اگر ایسے مُعجزات رسول اللہ صلے اللہ

علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوں اور اُن کے متعلق کافی تاریخی شہادت مل جاوے۔ تو کسی عقلمند اِنسان کو اُن کے تسلیم کرنے میں اِنکار کی گنجائش نہیں ہونی چاہیئے۔ کیونکہ قانون قدرت پر کسی اِنسان کو احاطہ نہیں ہو سکتا اور ممکن ہے کہ جو بات آج قانون قدرت کے خلاف نظر آتی ہے چند سال کے بعد ایسے قانون دریافت ہو جائیں کہ وہ عین قانون قُدرت کے موافق ثابت ہو۔ مگر میں ایسے مُعجزات کا تذکرہ کرنا نہیں چاہتا۔ میں دو تین ایسے مُعجزات بیان کرنا چاہتا ہوں جن کے مُعجزہ ہونے سے کِسی عقلمند کو اِنکار نہیں ہونا چاہیئے۔

(۱) آپ کی غیر معمُولی کامیابی

دُنیا میں ہزاروں اِنسان نہایت ادنٰے حیثیت سے ترقی کرکے بڑے بڑے اعلیٰ مدارج پر پہنچ گئے۔ معمُولی سپاہی اور ڈاکو بادشاہ بن گئے۔ معمُولی مزدُور وزارت کی کرسی پر بیٹھ گئے۔ بڑے بڑے

عاجز اِنسان عالم بن گئے یا کروڑ پتی دولتمند بن گئے۔ لیکن اگر ان سب کی کامیابی اور ترقی کی تارِیخ پڑھی جائے تو معلوم ہوگا کہ اِن کو حالات موافق مِلتے گئے۔ اور یہ قدم بقدم ترقی کرتے گئے۔ اور جُوں جُوں ترقی کرتے گئے اُن کی رفتارِ ترقی تیز ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ اِنتہائے منزل پر پُہنچ گئے ؛

مگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ترقی ان سب سے علیحدہ اور اِمتیازی شان رکھتی ہے۔ آپ کے راستہ میں جو روکیں آئیں وہ کِسی مادر زاد کے راستہ میں نہیں آئیں۔ عرب جیسی اکھڑ قوم کی جہالت۔ وحشت اور تعصّب کے پہاڑ آپ کے سدّ راہ تھے عربوں کی خُونخواری عیسائیوں اور یہُودیوں کی کینہ وری اور عیّاری آپ کی بربادی پر تُلی ہوئی تھی اور اِدھر آپ بالکل بے یار و مددگار ہر قسم کے مادی اسباب سے محروم تھے۔ مگر یہ تمام پہاڑ ریزہ ریزہ ہو

گئے۔ اور آپ ایسے کامیاب ہوئے کہ دُنیا اس کی مثال نہیں دے سکتی۔ کچھ دشمن تباہ ہو گئے اور بہت سے ایسے جان نثار غلام بن گئے کہ آپ کے مِشن کی اشاعت کے لئے اُنھوں نے دُنیا کو تہ و بالا کر ڈالا یہ یقینی امر ہے کہ دُنیا کے کِسی اِنسان کو نہ ایسی مُشکلات کا سامنا ہُؤا اور نہ ہی کِسی کو ایسی کامیابی ہی حاصِل ہُوئی یہ کامیابی آپ کا سب سے بڑا مُعجزہ ہے ۔

(۲) آپ کا ایک بڑا مُعجزہ قرآن ہے

بائیبل کے مجمُوعہ اور چاروں وِیدوں کے مُقابلہ میں قرآن ایک نہایت چھوٹی سی کتاب ہے مگر اِس چھوٹی سِی کتاب میں قوموں اور افراد کی ہر قِسم کی اِصلاح اور ترقی کے لِئے ایسے اُصول اور قوانین ہیں جو کسی دُوسری مذہبی کِتاب میں نہیں پائے جاتے اِس لحاظ سے یہ کِتاب بے نظیر ہے کہ

اس میں نہایت مختصر مگر جامع عبارت میں سب ایسے اصُول جمع ہیں جو ہر زمانہ اور ہر مقام کے لوگوں کے لیئے کافی ہیں۔ اگر اس دعوے کا ثبوت مطلوب ہو تو اسلامی تاریخ کو پڑھو۔ اسی کتاب کی تعلیم کی بدولت عربوں کی وحشی قوم تہذیب اور تمدن میں دُنیا کی اُستاد بن گئی۔ یورپ کے ہر مؤرخ کو مسلمانوں کی اُستادی کا اعتراف ہے +

(اسی بات کی طرف قرآن مجید اشارہ کرتا ہے جب وہ کہتا ہے کہ اگر جن وانس مل جائیں تب بھی ایسی کتاب نہیں بنا سکتے۔ یہ چیلنج ابھی تک لاجواب ہے اور ہمیشہ لاجواب رہیگا۔)

غور کے قابل یہ بات ہے کہ اس کتاب کے لانے والا ایسا شخص ہے جو محض اُمّی ہے جس تک ہندوؤں۔ یُونانیوں۔ ایرانیوں اور چینیوں کے عُلوم کی ہوا بھی نہیں پہنچی جو کسی فلسفی کی مجلس میں نہیں بیٹھا اور نہ کسی یونیورسٹی کا ڈگری یافتہ ہے۔ اب ایسا

کام جن کے کرنے سے دُنیا کے سب انسان عاجز ہوں اگر معجزہ نہیں تو کیا ہے؟ قرآن

(۳) آپ کی پیشگوئیاں

کریم پیشگوئیوں سے بھرا ہوا ہے اور بہت سی پیشگوئیاں آپ کی کامیابی کے متعلق ہیں۔

آپ نے جب اصلاح قوم کا بیڑا اُٹھایا تو سارا عرب آپ کے مقابلہ کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ ان لوگوں نے آپ کو اپنے کام سے روکنے کے لئے ایذا دی۔ ترغیب و ترہیب کا ہر ممکن طریق استعمال کیا اور جب آپ کی استقامت میں کوئی فرق نہ آیا تو انہوں نے آپ کی جان لینے اور آپ کے کام کو نیست و نابود کرنے کی ٹھان لی۔ افراد کو آپ کے قتل کے لئے بھیجا۔ جتھے بنا کر آپ کی جان لینے کے لئے گئے۔ زہر دلوایا لشکر لے کر آپ پر چڑھ گئے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہو چکا تھا واللہ یعصمک من الناس۔ اس پیشگوئی کے مطابق آپ کا کوئی بال بیکا نہ کر سکا۔

اب غور کرو - بادشاہ قلعوں میں رہتے ہیں۔
اُن کے ساتھ ہر وقت پہرہ رہتا ہے اور ان
کی حفاظت کی ہر ممکن تدبیر اختیار کی جاتی
ہے - با وجود ان احتیاطی تدابیر کے جب کسی
نے کسی بادشاہ کے مارنے پر کمر باندھ لی
تو کامیاب ہو ہی گیا - ان پچھلے پچاس سال
کے عرصہ میں کم از کم چالیس تاج و تخت
اور بڑی بڑی فوجوں کے مالک اپنے دشمنوں
کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اُتر ہونگے ٭
مگر ایک شخص تنہا بے یار و مددگار لاکھوں
دشمنوں کے نرغہ میں ہے جو سب اُس کو
ہلاک کرنے پر تلے ہوئے ہیں - وہ اُنکے
نہایت محبوب تعصبات پر سخت نکتہ چینی کرتا
ہے اور اس طرح اُنکو اشتعال دلاتا ہے -
اُن سے برابر ملتا جُلتا بھی ہے - اپنی حفاظت
کا کوئی سامان نہیں کرتا - اور ساتھ ہی
اُن سے کہتا جاتا ہے کہ تم میرا بال بیکا
نہیں کر سکتے - میں تمھاری شر سے محفوظ
رہوں گا - اور جیسا وہ کہتا ہے ویسا ہی

ہو جاتا ہے ۔ وہ محفوظ رہتا ہے اور کوئی اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا ۔ اب اگر یہ معجزہ نہیں تو اس کی مثال بتاؤ +

روم اور ایران کی جنگ

(۴) قرآن مجید پیشگوئیوں سے بھرا پڑا ہے جو سب کی سب اپنے اپنے وقت پر پوری ہوئیں ۔ منجملہ ان کے ایک پیشگوئی ایسی ہے جس کی صداقت سے سخت سے سخت دشمن بھی انکار نہیں کر سکتا ۔ رومیوں اور ایرانیوں کے درمیان جنگ ہو رہی ہے ۔ ایرانی فتح پر فتح حاصل کرتے جاتے ہیں ۔ یہاں تک کہ اُن کا فاتح لشکر قسطنطنیہ کے دروازہ پر جا پہنچتا ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رومی سلطنت ہمیشہ کے لئے مٹ جائے گی ۔ ایسے وقت میں جب کہ دانا سے دانا مدبّر بھی یہ پیشگوئی کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا ۔ کہ جنگ کی یہ بساط اُلٹ جائے گی ۔ ایک عرب اُمّی کے مُنہ سے یہ پیشگوئی

نکلتی ہے - کہ چند سال کے عرصہ میں مظفر و منصور ایرانی شکست کھائیں گے اور جو کچھ جیتا ہے سب کھودیں گے اور رومیوں کو شاندار فتح نصیب ہوگی - تاریخ شاہد ہے کہ ایسا ہی ہُوا +

اسی کے ساتھ ایک اور زبردست پیشگوئی ہے کہ بے سروسامان مسلمان بھی اسوقت اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل کریں گے - یہ پیشگوئی بھی جیسا کہ تاریخ شاہد ہے حرف بحرف پوری ہوئی +

(۵) واقعہ ہجرت بعض ربانی مصالح کی بنا پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مکہ چھوڑ کر مدینہ جانا پڑا یہ واقعہ ہجرت کہلاتا ہے - آپ کے مکہ سے مدینہ تک کے سفر میں کئی واقعات ایسے ہوئے ہیں جن پر ہر لحاظ سے معجزہ کا لفظ صادق آتا ہے +

جب آپ غار ثور میں تھے تو دشمن غار کے منہ تک پہنچ گئے - غار ہی

چھپنے کی جگہ تھی - اور ہر تلاش کرنے والا وہیں تلاش کرے گا - مگر دشمن جو کچھ تو لالچ سے اور کچھ شدید عداوت سے اس بات پر تُلے ہوئے تھے کہ آپ کو جس طرح بھی بن پڑے ڈھونڈھ نکالیں اِدھر اُدھر ہر جگہ تلاش کرتے ہیں مگر غار کے اندر داخل ہونے کا کِسی کو خیال نہیں آتا +

پھر سراقہ کا واقعہ ہے - یہ شخص آپ کو زندہ گرفتار کرنے کی خواہش سے نکلتا ہے - آپ کے نزدیک پہنچ جاتا ہے کہ گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس جاتے ہیں اور آپ اس طرح آگے نکل جاتے ہیں - یہی واقعہ کئی بار ہوتا ہے اور بالآخر یہ شخص اس یقین سے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی مدد ہے آپ کی غلامی میں داخل ہو جاتا ہے - اس واقعہ سے غیر معمولی عنصر کو الگ بھی کر دو تب بھی یہ معجزہ

ہے۔ اس لئے کہ یہ سب کچھ اُس پیشگوئی کے
ماتحت ہوتا ہے جہاں اللہ تعالےٰ نے آپ
کو تسلی دے کر فرمایا ہے کہ

"میں تمہارے ساتھ ہوں"

(تمت بالخیر!)

کتبہٗ محمد یوسف ممتاز رقم از شہر وزیرآباد پنجاب
محلہ خرادیاں

ضروری گذارش

بفضلِ خدا ہمارے مطبع میں ہر قسم کی لکھائی چھپائی کا کام
بہت اعلیٰ کیا جاتا ہے اور اس پر خوبی یہ کہ نرخ واجبی اور کام وقت
پر دیا جاتا ہے۔

علاوہ اس کے ہمارے کتب خانہ مقبول عام میں ہر قسم کے قرآن
مجید مترجم و بلا ترجمہ چھوٹے بڑے۔ نیز ہر قسم کے سیپارے خورد و کلاں
پنجسورے، نمازیں، اور دعا گنج العرش وغیرہ ہر وقت صرف لاگت
پر فروخت کیلئے موجود رہتی ہیں۔ لہذا کسی قسم کا کوئی قرآن مجید یا
پنجسورہ یا نماز یا دعا گنج العرش یا قاعدہ یسرنا القرآن وغیرہ اور ہر قسم
کی کتابیں خریدتے وقت کتب خانہ مقبول عام کا نام ضرور دیکھ
لیا کریں۔ اس صورت میں نہ صرف آپ کو رعایت ہی رہے گی
بلکہ ہماری مطبوعہ کتب کی لکھائی چھپائی جلد سازی اور صحت کو
دیکھ کر آپ نہایت خوش ہوں گے۔